تفسیر
سورۃ فاتحہ

تحفۃ الاسلام

مولف
مولوی حافظ محمد اکرام الدین (رحمۃ اللہ علیہ)
شاگرد رشید قدوۃ المفسرین زبدۃ المحدثین
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ

تاریخ تالیف محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

سیّد احمد شہید اکیڈمی
نفیس منزل کریم پارک راوی روڈ لاہور

تحفۃ الاسلام

تفسیر سورہ فاتحہ

از: مولوی حافظ محمد اکرام الدینؒ

شاگرد رشید قدوۃ المفسرین زبدۃ المحدثین

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

بسلسلہ: فہم قرآن، رمضان المبارک، ۱۴۳۴ ہجری

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من النبیؐ بعدہ

حرفِ نفیس

میرے مخلص احباب میں سے جناب مقبول احمد قریشی پیشِ نظر رسالے کو افادہ عام کیلئے شائع کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد اکرام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر سورۃ فاتحہ کا قیمتی نسخہ ہے جو انہوں نے پونے دو سو سال قبل مرتب کیا تھا۔

حضرت مولانا محمد اکرام الدین رحمۃ اللہ علیہ ختم المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کے برگزیدہ شاگرد تھے اور امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ نے انہیں درسِ ارشاد پر بٹھایا تھا۔

جناب مقبول احمد قریشی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ وہ اس قیمتی تحفے کو منصۂ شہود پر لا رہے ہیں اللہ تعالیٰ عامۃ المسلمین کو اس سے استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

طالب دعا

سید نفیس الحسینی

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب تعریف واسطے اللہ ہی کے ہیں کہ اپنے محض کرم سے ہم کو شرک اور کفر سے بچایا اور قرآن شریف اپنے فضل سے آسان کر کے ہم کو سکھایا، اور ہزاروں درود اور سلام اس کے رسول پاک کو کہ ان کی زبان فیض ترجمان سے اپنے احکام ہدایت انتظام کو سنایا اور تحیات بے شماران کے آل اطہار اور اصحاب کبار پر کہ انہوں نے ہم کو طریقہ اس رحمۃ اللعالمین کا بتایا، بعد حمد اور صلوٰۃ کے کہتا ہے بندہ ضعیف حقیر کمترین اکرام الدین محتاج الی رحمۃ المعین کہ اکثر مسلمان بھائی خصوصاً میر حسین علی نے اس بات پر رغبت دلائی کہ اگر سورۃ فاتحہ کے فوائد زبان ہندی میں بیان ہو جائیں تو سب مسلمانوں کو اپنی نماز کا مزہ حاصل ہو جائے کیونکہ ہر نماز میں اسی سے کام ہے اور اس سورے کا ام الکتاب نام ہے۔ اس واسطے اس کا بیان کرنا بہت ضروری ہے اور تمام قرآن کا بیان کرنا کس کا مقدور ہے۔ بعد اصراران لوگوں کے جس قدر نکات ام الکتاب کے اس فقیر کے خیال میں سمائے وہ ان اوراق پر لکھنے میں آئے اور اکثر اقوال تفسیر عزیزیہ کے اس میں آئے ہیں اس واسطے کہ اس فقیر کو وہ اقوال بہت بھائے ہیں۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ میں اس کی تحمید ہے اور اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ میں سراسر تمجید ہے، اور اِیَّاکَ نَعۡبُدُ میں تمام عبادت کی بوجھ ہے اور اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں مدد طلب کرنے کی سوجھ ہے اور اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ میں راہ سیدھی کی طلب کا بیان ہے اور صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ میں آخر تک سنت اور بدعت کی پہچان ہے اور آخر رسالے میں ام الکتاب کی فضیلت اور اس کا مختصر نام تحفۃ الاسلام ہے۔ بارے الحمد للہ کہ یہ رسالہ سن بارہ سے بیالیس ۱۲۴۲ ہجری غرۂ محرم الحرام میں تمام ہوا اور فضل و کرم الٰہی سے مقبول خاص و عام ہوا۔ جو بھائی مسلمان اس کی سیر کریں چاہئے کہ فقیر کے حق میں دعائے خیر کریں۔ حق تعالیٰ اس مختصر کو پسندیدہ خاص و عام کرے اور اس عاجز کو اللہ تعالیٰ کے روبرو نیک نام کرے اور اس کے پڑھنے والوں اور عمل کرنے والوں کو راہ راست معرفت اور ہدایت کی دکھاوے اور اس کو گمراہ کرنے اور بہکانے والے شیاطین اور اخوان الشیاطین سے بچاوے۔ آمین آمین یارب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یعنی شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ بخشنے والے مہربان کے۔ سمجھنا چاہئے کہ جناب باری تعالیٰ بسم اللہ میں تین نام فرمائے تاکہ بندہ ہر کام میں دین کا ہو یا دنیا ان ناموں سے شروع کرے کیونکہ یہ تین نام ہر کام کی درستی پر دلالت کرتے ہیں، یعنی لفظ اللہ کا ہر کام کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور لفظ رحمٰن کا اس کے باقی رہنے پر اور لفظ رحیم کا اس کے فائدہ دینے پر۔ اس واسطے ان تین ناموں کے ساتھ تعلیم کیا تاکہ کام بندے کا برباد نہ ہووے اور اگر کوئی پوچھے کہ کتاب کو بسم اللہ سے کیوں شروع کیا کیونکہ لڑکوں کو جب مکتب میں بٹھاتے ہیں تو الف سے شروع کراتے ہیں۔ اس کے جواب میں دو وجہ ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ کہا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہ تمام علوم حق تعالیٰ کے جو شرائع کے ہیں سو چار کتابوں میں ہیں۔ ایک توریت، دوسری انجیل، تیسری زبور، چوتھی فرقان۔ اور قاعدہ ہے کہ کتاب اخیر جامع مضامین کتب ماسبق ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سب مطالب اگلی کتابوں کے قرآن شریف میں ہیں اور تمام مطلب قرآن کا سورۃ فاتحہ میں ہے۔ اور حاصل مطلب سورۃ فاتحہ کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اور خلاصہ بسم اللہ کا حرف با یعنی بے میں ہے۔ اس واسطے کہ بے کے معنی ہیں اتصال اور معیت کے اور غرض تمام علم سے یہی ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ سے عظمت اور شرف اتصال اور معیت کا حاصل ہو جاوے، اور عزت اور کرامت کے ساتھ درجہ قرب پاوے۔ پس ثمرہ سب علم کا اس حرف سے سمجھا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ الف صورت سرکشی کی رکھتا ہے اور بے صورت سرفگندگی کی رکھتی ہے اس واسطے حرف بے نے یہ مرتبہ پایا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ مَنۡ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ یعنی جو جھکے واسطے اللہ کے بلند کرتا ہے اللہ اس کو۔ اور واسطے آگاہی کے اس پر کہ حق تعالیٰ افتادگی کو پسند کرتا ہے اور سرکشی سے ناراض ہوتا ہے۔ حرف با سے اپنی کتاب کو شروع کیا اور بادشاہوں کا معمول ہے کہ جس گھوڑے کو اصطبل میں پسند کرتے ہیں اس پر داغ کر دیتے ہیں تاکہ نشان رہے اور ہر کوئی معلوم کرے کہ یہ پسندیدہ بادشاہ کا ہے، اس پر کوئی سواری نہ کرے اور نگاہ بد نہ ڈالے۔ سو بسم اللہ گویا مُہر ہے حق تعالیٰ کی بندے کے کام پر کہ جب کوئی کام شروع کرے اس مُہر کے نیچے اس کام کو رکھے تاکہ بندے کی بندگی معلوم ہووے۔ اسی واسطے رسول

خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر کام کا شروع ساتھ بسم اللہ کے کرتے تھے، اور دلیل بسم اللہ کی برکت کی یہ ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو غرق کے خوف سے[1] بِسْمِ اللّٰہِ مُجْرِیٰھَا وَ مُرْسٰھَا کہہ کر اس کو رواں کیا۔ کشتی اسی کے نام کی برکت سے بچ رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوحؑ نے آدھی بسم اللہ کہہ کر نجات پائی پس جو شخص کہ ساری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے وہ کیونکر سعادت دارین سے محروم رہے گا۔ نقل ہے کہ ایک بزرگ نے اس کلمہ پاک کو لکھوا کر وصیت کی کہ میرے کفن میں رکھ دینا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی، کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک فقیر کسی امیر کے بڑے دروازے پر کھڑا ہوا سوال کرتا تھا۔ مالک مکان کچھ تھوڑا سا اس کو دینے لگے۔ اس فقیر نے کہا کہ یہ تیری تھوڑی سی بخشش موافق اس دروازے بلند کے نہیں ہے، یا تو بخشش موافق اپنے دروازے کے کر، یا دروازے کو موافق اس بخشش کے کر۔ سو یہ آیت کتاب اللہ کا دروازہ ہے۔ قیامت کے دن اس دروازے کو ہاتھ میں لئے ہوئے صاحب اس دروازے سے بقدر عظمت اس دروازے کے بخشش طلب کروں گا۔ اب ایک نکتہ اور جاننا چاہیے کہ بسم اللہ کے انیس ۱۹ حرف ہیں اور موکل عذاب دوزخ کے بھی انیس ۱۹ ہیں۔ سو جو بندہ اس کو پڑھتا ہے قیامت کے دن انیسوں موکلوں کے عذاب سے پناہ میں رہے گا اور رات دن کی چوبیس ساعتیں ہیں سو پانچ ساعتوں کے واسطے پانچ نمازیں مقرر ہیں پھر باقی رہیں، انیس ساعتیں سو اس میں آدمی چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا، سوتا جاگتا، کھاتا پیتا ہے، سو بسم اللہ کو مقرر کیا کہ ان وقتوں میں کہا کریں تا کہ آٹھوں پہر یعنی چوبیس ساعتیں عبادت میں لکھی جاویں اور رحمت بسم اللہ میں ایسی ہے کہ سورۃ برأت پر نہیں ہے کیونکہ اسی سورۃ میں مشرکین پر قہر الٰہی کا بیان ہے، اور اس کلام میں رحمت بھری ہوئی ہے۔ دونوں ایک جگہ میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں اور ذبح کے وقت جو بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہیں اور رحمٰن اور رحیم نہیں کہتے ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں نام رحمت کے ہیں اور صورت ذبح کی قہر پر دلالت کرتی ہے۔ پس آدمی کو چاہیے کہ اس کلمہ پاک کو ہر وقت زبان پر جاری رکھے اور اگر ہر وقت نہ ہو سکے تو ستر (۷۰) بار ہر نماز فرض کے بعد پڑھ لیا کرے۔ حق تعالیٰ کے غضب سے محفوظ ہو کر رحمت میں داخل ہوگا اور خاصیت اس آیت کی یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی پاخانے میں جانے سے پہلے بسم اللہ کہے تو جن اور شیاطین اس کے

[1] ساتھ نام اللہ کے ہے چلنا اس کا اور ٹھہرنا اس کا ۱۲

ستر کو نہیں دیکھ سکتے، پھر جس کلمے کی دنیا میں یہ خاصیت ہے وہ بیشک آخرت میں بھی آگ سے محفوظ رکھے گا، یہاں تک بسم اللہ کے معنی تمام ہوئے۔

اب سورۃ فاتحہ کے معنی بیان ہوتے ہیں۔ شان نزول اس سورۃ متبرکہ کا یہ ہے کہ مولانا یعقوبؒ چرخی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایک روز جنگل میں چلا جاتا تھا کہ ناگاہ میں نے ایک آواز سنی کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس آواز سے میں ڈر کر اپنے گھر چلا آیا اور خدیجہؓ سے میں نے یہ حال بیان کیا۔ دوسرے روز خدیجہ مجھے ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی کہ چچا زاد بھائی اس کا تھا، اور علم توریت کا اسے خوب حاصل تھا، اس نے یہ حال سن کر کہا کہ اے لڑکے اگر تو دوبارہ جنگل میں جاوے اور وہی آواز سنے تو کان رکھ کر سننا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ دوسرے روز جو میں جنگل میں گیا تو میں نے پھر سنا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت دیکھتا کیا ہوں کہ ایک تخت زرّین درمیان آسمان اور زمین کے ہوا پر کھڑا ہے اور اس پر ایک مرد نورانی بیٹھا ہے۔ جب میں نے اسے دیکھا پھر اس نے پکارا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے کہا حاضر ہوں۔ اس نے کہا میں جبرئیل اور تو نبی ہے اس امت کا۔ پھر کہا کہ کہہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اور اس کے بعد کہا کہ کہہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تا آخر سورۃ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

یعنی تمام صفت اور ثناء اور خوبیاں واسطے اللہ ہی کے ہیں، پہلے جاننا چاہیے کہ حمد اور مدح میں اور شکر

فائدہ: حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیؓ بن کعب سے فرمایا کیا میں تجھے خبر نہ دوں ایک سورت کی جس کی مانند نہ توریت میں نازل ہوئی، نہ انجیل نہ زبور میں نہ فرقان میں۔ حضرت ابیؓ بن کعب نے عرض کیا کہ فرمایئے یا رسول اللہ! تب ارشاد فرمایا کہ فاتحہ الکتاب اور یہ سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم جو مجھے دیا ہے ۱۲ منہ

فائدہ: حضرت حذیفہؓ بن الیمان سے روایت ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم پر عذاب بھیجنا مقرر ہوتا ہے اگر کوئی لڑکا ان میں کا پڑھنا شروع کرتا ہے اور کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ اس قوم سے چالیس برس تک عذاب اٹھا لیتا ہے۔ ۱۲ منہ

میں کیا فرق ہے۔ جب تینوں میں فرق سمجھا جاویگا تو حمد کے معنی خوب ذہن میں آجاوینگے۔ پس مدح زندہ اور غیر زندہ دونوں کو شامل ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلانا باغ کیا اچھا ہے، اور فلانا موتی کیا خوب ہے یا فلانے کی آنکھیں کیا اچھی ہیں اور فلانا شخص بڑا نیک بخت ہے اور حمد فقط زندے کو ہوتی ہے اور مدح کبھی احسان کے پہلے ہوتی ہے اور کبھی بعد احسان کے۔ اور حمد بعد احسان کے ہی ہوتی ہے اور بعض مدح ممنوع بھی ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَحْثُوا التُّرَابَ فِیْ وُجُوْہِ الْمَدَّاحِیْنَ یعنی خاک ڈالو منہ میں مدح کرنیوالوں کے یعنی جو بے جا مدح کرتے ہیں۔ اور حمد ہر طرح درست بلکہ مستحب ہے، جیسے حضرت نے فرمایا ہے مَنْ لَمْ یَحْمَدِ النَّاسَ لَمْ یَحْمَدِ اللّٰہَ یعنی جس نے حمد نہ کی لوگوں کی اس نے حمد نہ کی اللہ کی۔ اور جاننا چاہیے کہ حمد اور مدح میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ حمد اس کو کہتے ہیں کہ محمود میں جو صفتیں واقعی ہوں ان کا بیان کرنے اور مدح میں یہ قید نہیں۔ اگر واقعی صفتوں سے زیادہ تعریف کرے تو اس کو مدح کہتے ہیں، حمد نہیں کہتے ہیں۔ اس واسطے حمد ہمیشہ درست اور جائز ہوتی ہے اور مدح جس صورت میں خلاف واقع ہونا جائز ہوتی ہے، اس واسطے مداحوں کے منہ میں خاک ڈالنے کا حکم دیا ہے کیونکہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور عیب دار ہے۔ بہت مدح نہ چاہیے۔ اور شکر عوض میں نعمت بھیجی ہوئی کے ہوتا ہے اور بدون نعمت کے نہیں ہوتا، اور حمد اوپر نعمت بھیجی کے اور غیر بھیجی کے دونوں پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مستوجب حمد کا ہر حال میں ہے قطع نظر وصول نعمت کے سو اس واسطے حمد کو اوپر مدح کے اور شکر کے اختیار فرمایا اور المدح للہ والشکر للہ نہ فرمایا۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہ سورت تو بندے کو تعلیم فرمائی ہے یوں فرمایا ہوتا احمد اللہ یعنی حمد کرتا ہوں میں اللہ کو سو یہ اس واسطے نہ کہا کہ اس میں دعویٰ ہوتا ہے کہ میں حمد کرتا ہوں اور حالانکہ تمام مخلوق عاجز ہے اس سے کہ حمد کرے اس خالق کل کی۔ پھر بشر عاجز کا کیا مقدور ہے کہ حمد خداوند کی بجالاوے۔ اس واسطے یوں نہ فرمایا تا کہ بندہ قیامت کو شرمندہ نہ ہووے وقت پوچھنے کے کہ تو بار بار پانچوں نماز میں جو کہتا تھا کہ میں حمد کرتا ہوں سو تو نے کیا حمد کی پس معنی الحمد للہ کے یہ ہوئے کہ تمام تعریف واسطے اللہ کے بندے سے وہ تعریف ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن سب تعریف اسی کے واسطے ہے۔

نقل ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ خداوندا میں کیونکر تیرے شکر سے چھٹکارا پاؤں۔ کس واسطے کہ جو شکر میں کرتا ہوں وہ تیری ہی توفیق سے کرتا ہوں، پس اس شکر کے واسطے ایک شکر اور چاہیے اور بندہ اس پر کہاں قادر ہو سکتا ہے۔ فرمایا اے داؤدؑ جب بندے نے میرے شکر

سے آپ کو عاجز جانا گویا میرا شکر بجالایا۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے "خاموشی از ثنائی تو حد ثنائی تست" اس واسطے اپنی رحمت سے احمد اللہ نہ فرمایا کہ دعویٰ حمد کا محض غلط ہوتا ہے اور اگر کوئی کہے کہ حمد کے قابل اور لوگ بھی ہوتے ہیں جیسے مرید پیر کی حمد کرتا ہے اور شاگرد استاد کی اور لڑکا ماں باپ کی۔ سو تمام حمد اللہ ہی کو نہ ہوئی بلکہ حمد میں اور بھی شریک ہو گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی حمد اللہ ہی کی ہو جاتی ہے کیونکہ اگر وہ محبت ماں باپ کے جی میں نہ ڈالتا تو وہ کیونکر لڑکے کو پالتے۔ اور اگر پیر اور استاد کو علم پر قدرت نہ دیتا اور اس کے جی میں ہماری تعلیم کی محبت نہ ڈالتا تو وہ کیونکر تعلیم کر سکتے، یا امیروں کو اور پادشاہوں کو دولت نہ دیتا اور توفیق خیر جی میں نہ ڈالتا تو وہ غریبوں کو کیونکر پرورش کر سکتے، کیونکہ جو خود محتاج ہو وہ دوسرے کو کیا دیوے۔ سو یہ حمد بھی اللہ ہی کے واسطے ہے، دوسرے کے واسطے نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک امیر کے گھر ہم مہمان گئے اور اس امیر نے اپنے خدمت گاروں سے کہا کہ جس وقت ان کو کچھ حاجت ہو اسی وقت اس حاجت کو برلاؤ تو نادان لوگ ان خدمت گاروں کو اپنا منعم جانتے ہیں، اور دانا لوگوں کا خیال اس امیر کے انعام پر رہتا ہے اور خدمت گاروں کو واسطہ محض سمجھتے ہیں۔ اور جب حمد کرتے ہیں اس امیر ہی کی حمد کرتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ یہ امیر اگر اجازت نہ دیتا تو یہ خدمت گار لوگ ہماری خدمت کیوں کرتے۔ سو مسلمانوں کو یہ چاہیے کہ نعمت کسی بندے کے ہاتھ سے پہنچے اس کو یوں سمجھے کہ میرا پادشاہ خوان بھر بھر کر نعمت اپنے خدمت گاروں کے ہاتھ بھیجتا ہے اور اس پردے میں میری پرورش کرتا ہے اور یہ خاصیت لڑکوں کی ہوتی ہے کہ جب ماں باپ نے اپنے لڑکے کو حوالہ دائی کے کیا اور وہ لڑکا دائی سے ہلا تو وہ دائی سے چیزیں مانگنے لگا۔ تب وہ دائی اس کے ماں باپ سے لے کر اس کو دیتی ہے سو وہ لڑکا نادانی سے جانتا ہے کہ میری منعم یہ دائی ہیں، سو مسلمان بالغ کو چاہیے کہ مانند اس لڑکے کے نادان نہ بن جاوے بلکہ جو نعمت کسی کے ہاتھ سے پہنچے تو یوں جانے کہ میرے آقا نے مجھ کو دی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں بھی اس کا اشارہ کیا ہے کہ وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ یعنی جو نعمت تم کو پہنچی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اس کی طرف سے جانو اور بیچ والوں کو خدمت گار اس آقا کا سمجھو۔ لیکن جس کے ہاتھ سے آقا دلوا دے اس کا بھی شکر کرے کہ یہ بھی آقا نے فرمایا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ یعنی میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا۔ اور جاننا چاہیے کہ منعم اسے کہتے ہیں کہ نعمت کے بدلے میں کوئی چیز نہ طلب کرے۔ سو یہ ذات پاک حق تعالیٰ کی ہے کہ بے غرض انعام فرماتا ہے اور بندہ

جو احسان کرتا ہے سو وہ غرض سے خالی نہیں ہوتا کوئی ثواب چاہتا ہے کوئی رضامندی اللہ کی چاہتا ہے کوئی ناموری چاہتا ہے۔ کوئی عوض اس کا چاہتا ہے۔ غرض انعام محض کوئی نہیں کرتا سوائے جناب پاک کبریا کے۔ پس جس کا انعام غرض سے خالی نہ ہوا وہ منعم حقیقی نہ ہوا۔ اور جب وہ منعم حقیقی نہ ہوا تو لائق حمد کے حقیقتاً بھی نہ ہوا۔ اور اگر کوئی کہے کہ ہر جگہ تسبیح اوپر تحمید کے مقدم کیا ہے مثلاً[1] فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ یہاں فقط تحمید کو ذکر کیا اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تسبیح مقدم اوپر تحمید کے اس وقت ہوتی ہے کہ جہاں دونوں مذکور ہوں، اور اس سورت میں صرف تحمید کا ذکر ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں تحمید کو کیوں اختیار کیا اور تسبیح کو نہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تحمید کے معنوں میں تسبیح کے معانی آجاتے ہیں اور تسبیح کے معنوں میں تحمید کے معنی نہیں آتے کیونکہ تسبیح کے معنی یہ ہیں کہ ذات اور صفات حق تعالیٰ کی سب نقصانوں اور عیبوں سے پاک ہے اور معنی تحمید کے یہ ہیں تمام خوبیاں اسی کے واسطے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کوئی نقصان اس میں نہیں ہے اس واسطے کہ تمام خوبیاں اس میں ہوتی ہیں کہ جس میں کسی طرح کا نقصان اور عیب نہ ہووے۔ سو معنی تسبیح کے تحمید میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس واسطے تسبیح کا ذکر کرنا کچھ ضرور نہ ہوا، اور علماء نے کہا ہے الحمدللہ کے آٹھ حروف ہیں اور دروازے بہشت کے بھی آٹھ ہیں، جب بندے نے الحمدللہ کہا آٹھوں دروازے اس کے واسطے کھل جاتے ہیں اور عالموں نے کہا ہے کہ یہ کلمہ بڑا بزرگ ہے، اس کو بے موقع جگہ پر نہ کہے۔ ایک نقل ہے کہ اس کے سننے سے خوب سمجھ میں آجاویگا کہ جگہ کون سی لائق کہنے کے ہے اور کونسی نہیں ہے۔ ایک بزرگ کہتے تھے کہ میں نے ایک بار الحمدللہ کہا تھا اس وقت سے تیس برس ہوئے استغفار کرتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے، کیونکہ استغفار تو گناہوں سے کرتے ہیں، جواب دیا بعضے وقت ان کے کہنے سے گناہ ہوتا ہے۔ پھر بیان کیا کہ سبب استغفار کا یہ ہے کہ ایک روز بغداد میں آگ لگی اور دکانیں ساری جل گئیں، اور میری بھی دکان وہاں تھی۔ ایک آدمی نے آن کر کہا کہ اے شیخ تیری دکان بچ رہی اور سب جل گئیں۔ میں نے کہا الحمدللہ، پھر جو میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ اس جگہ یہ کلمہ کہنا خلاف مروت کے ہے کیونکہ سارے مسلمانوں کا مال جل گیا اور میں نے کلمہ غمگساری کا نہ کہا بلکہ مال بچنے پر خوش ہوا۔ سو یہ خلاف اسلام کے ہے۔ مسلمان وہ ہے کہ جیسے اپنے نقصان پر ملول ہو ویسا ہی دوسرے بھائی کے نقصان پر۔ میں نے اِنَّا للہ کے بدلے الحمدللہ کہا، اس واسطے

[1] پھر پاکی بول ساتھ تعریف کے اپنے رب کی ۱۲

تیس برس سے استغفار کرتا ہوں اور بزرگی اس کلمے کی یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے بدن میں روح ناف تک پہنچی تو چھینک آئی۔ کہا الحمدللہ۔ حق تعالیٰ نے جواب فرمایا۔[1] یَرْحَمُکَ اللّٰہُ اور گروہ فرشتوں کے ایک طرف بیٹھے تھے۔ فرمایا اللہ نے کہ اے آدم ان کے پاس جا اور کہہ السلام علیکم سو بموجب حکم کے گئے اور کہا۔ انہوں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔ جب فرمایا حق تعالیٰ نے کہ یہی تحفہ تیری ذریت کے واسطے مقرر ہوا ہے کہ وقت ملاقات کے سلام علیک کیا کریں اور جو کوئی چھینکے تو وہ الحمدللہ کہے اور دوسرا یرحمک اللہ کہے، اور اہل جنت کا بھی یہی السلام علیکم تحفہ ہے اور نعمت ملنے کے بعد الحمدللہ کہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا ہے[2] وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور اگر کوئی کہے نزول اس سورت کا واسطے تعلیم کرنے بندوں کے ہے کہ مناجات کے وقت یوں کہا کریں پس کیوں نہ فرمایا کہ قولوا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یعنی کہو الحمدللہ۔ جواب اس کا یہ ہے اگر یوں فرمایا ہوتا تو اس کلمے کے کہنے کا حکم ہو جاتا اور بعد اس کے اگر بندے قصور کرتے تو ان پر بڑا غضب نازل ہوتا۔ اس واسطے کو حکم نہ ماننا بادشاہ عالی قدر کا موجب غضب کا ہے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکا اپنے باپ کا حکم نہ مانے تو باپ اس کا بہت ناراض ہوگا۔ اس واسطے کہ صاف حکم کو ٹالا اور اگر یوں کہے کہ فلانا کام ضرور ہے اور خطاب نہ کرے کسی سے اور بیٹا وہ کام نہ کرے تو چنداں خفگی کے لائق نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اس کو عذر کی گنجائش ہے اور بندہ اللہ جل شانہٗ کی حمد سے عاجز ہے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔[3] لَا اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ تو دوسرے کا کیا مقدور ہے کہ اس کی حمد بجالاوے، اس واسطے اپنی رحمت سے صاف حکم نہ کیا کہ وقت قصور کے عذاب میں گرفتار نہ ہوویں۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

یعنی پرورش کرنے والا عالموں کا ہے۔ رب کے کئی معنی آئے ہیں، ایک مالک، دوسرے موجد یعنی خالق، تیسرے سردار چوتھے مربی اور یہ سب معنی اللہ کی ذات پاک میں پائے جاتے ہیں مگر اس مقام میں مناسب تر معنی مربی کے ہیں یعنی ربوبیت کے۔ اور ربوبیت کے معنی پرورش کرنے کے ہیں

[1] رحمت کرے تجھ کو اللہ [2] اور آخر دعا ان کی یہ ہے کہ سب تعریف اللہ کو ہے پروردگار تمام عالموں کا ۱۲ [3] نہیں گھیر سکتا میں تعریف کو تیری جیسا کہ تو نے تعریف کی اپنی ذات کی ۱۲

یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ کمال کو پہنچانا جیسے کہ باغبان پہلے بیج بوتا ہے۔ جب شاخ نکلتی ہے تو پانی دیتا ہے جب بڑا ہو جاتا ہے تو قلم کرتا ہے۔ غرض اسی طرح سے تربیت کرتا ہے تا کہ اپنے کمال کو پہنچے اور جب کمال کو پہنچتا ہے تو پتے اور پھل لاتا ہے اور جیسے کہ ماں اور باپ اپنے لڑکے کے حق میں پرورش کرتے ہیں لیکن ربوبیت کبھی خاص ہوتی ہے ساتھ ایک شخص کے جیسے کہ ماں باپ فرزند کے حق میں ربوبیت کرتے ہیں یا باغبان ایک باغ یا دو باغ کے حق میں پرورش کرتا ہے یا پادشاہ اور امیر اپنے ملک اور لشکر کے حق میں ربوبیت کرتے ہیں۔ سو اس قسم کی ربوبیت کرنیوالے کو کوئی مُوَحِّد اور مشرک قابل عبادت نہیں جانتا ہے۔ اور کبھی ربوبیت کئی چیز پر ہوتی ہے جیسے کہ ربوبیت اربع عناصر کی کہ روحیں ان پر مقرر ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کے گمان میں پانی پر جو روح ہے ہندی زبان میں اس کا نام[1] بھیروں ہے اور آگ پر جو مقرر ہے اس کا نام جوالا ہے۔ یا ربوبیت یا تاثیر چاند کی اور سورج کی اور سوا اس کے جو اور ستارے ہیں مثلاً مریخ مربی تیسری اقلیم کا ہے سو اس ربوبیت کو عام سمجھ کر مشرک لوگ قابل عبادت کے جانتے ہیں اور دھوکے میں پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی پرورش سب پر عام ہے۔ لیاقت عبادت کی یہ سب چیزیں رکھتی ہیں، کوئی گنگا نام رکھ کر پوجتا ہے اور کوئی خواجہ خضر کے دھوکہ سے دریا پر پھول اور ناؤ چڑھاتا ہے، اور کوئی قمر در عقرب کو تلاش کرتا ہے کہ اگر قمر عقرب میں آیا ہو تو شادی نہ کروں۔ کوئی مہینہ برسنے کے واسطے ستاروں کی گردش کو اور ان کے نچھتروں کو پوجتا ہے اور حقیقت میں غور کر کے نہیں دیکھتے ہیں کہ ان کی بھی ربوبیت عام نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ جو پرورش سورج کی ہے وہ چاند نہیں کر سکتا ہے اسی طرح سے آگ کی پرورش جو ہے وہ پانی میں نہیں ہے اور جو پانی کی پرورش ہے وہ آگ میں نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کی پرورش بھی خاص ہے ایک ایک چیز پر۔ مثلاً تاثیر سورج کی عالم حرارت میں ہے رطوبت میں نہیں۔ اور تاثیر چاند کی عالم رطوبت میں ہے حرارت میں نہیں۔ چاند محتاج ہے حرارت کے پیدا کرنے میں اور سورج عاجز ہے رطوبت کے پیدا کرنے میں۔ سو ان کی بھی پرورش خاص ہے عام نہیں ہے اور ایک دوسرے کی تاثیر میں عاجز اور محتاج ہے۔ اور تاثیر ان سب ستاروں کی مثلاً تاثیر آفتاب کی عالم حرارت میں اور تاثیر چاند کی عالم رطوبت میں اپنی ذات سے نہیں بلکہ اس تاثیر کو بھی وہی رب العالمین پیدا کرتا ہے۔ سورج اور چاند کو کچھ اپنا اختیار نہیں۔ جیسے قلم

[1] بھیروں اور جوالا نام ہے ہندوؤں کے اوتار کا۔ اسلام میں ان چیزوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے ۱۲

لکھنے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور لکھنے میں اپنا اختیار کسی طرح نہیں رکھتا۔ ایسے ہی حال ان سب روحوں اور ستاروں کا ہے پس ان سب میں دو طرح کا نقصان ہے۔ ایک یہ کہ ان کا سب عالم میں تصرف نہیں دوسرے یہ کہ جس قسم کی اس میں تاثیر ہے وہ اپنی ذات میں اور اپنے اختیار میں نہیں پس ان کو پوجنا ایسا ہوا کہ جیسے کوئی قلم کی پوجا اور بندگی کرے۔ اس غرض سے کہ وہ پروانہ حاجت براری کا اس کے واسطے لکھے۔ اور جب عاجزی اور محتاجی ان کی ثابت ہوئی تو وہ قابل عبادت کے نہ رہے، پھر جب قابل عبادت کے نہ رہے پھر جو عبادت کرے ان کو وہ مشرک ہے۔ عبادت چاہئے رب العالمین کو کہ جو تمام عالموں کا رب ہے، کہ پرورش اس کی تمام عالموں کو احاطہ کر رہی ہے۔ نقل ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی کون ہے رب سب جہانوں کا۔ انہوں نے جواب دیا کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا یعنی رب آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کہ ان دونوں میں ہے۔ فرعون کو بڑا تعجب ہوا۔ تب حضرت نے دوبارہ فرمایا رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ پہلی بار تو جو عام ربوبیت مکانوں میں تھی وہ فرمائی اور دوسری بار جو عام ربوبیت زمانوں میں تھی وہ ارشاد کی گویا کہ یوں ہوا کہ جب اس نے پوچھا کہ کون ہے رب العٰلمین۔ حضرت نے جواب دیا کہ وہ ہے جو مالک ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو مکان ہیں ان دونوں میں، جب اسے تعجب ہوا تو فرمایا کہ تو مکانوں کا رب جان کر گھبرایا بلکہ جس زمانے میں کہ تمہارے باپ دادا کو پیدا کیا ہے اس زمانے کا بھی وہی مالک ہے۔ فرعون نے بہت محال جانا اس کو کہ ایک ذات اتنے مکانوں میں اور زمانوں میں کیونکر رب ہو سکے۔ اس کو محال جان کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجنون ٹھہرایا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ اس نے بہت بعید جانا ربوبیت عام کو فرمایا تو اسی کو بعید جانتا ہے۔ اس کی ربوبیت اس سے بھی بڑی ہے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا یعنی رب پورب کا اور پچھم کا اور جو کہ بیچ پورب اور پچھم کے ہے یعنی جیسے کہ ربوبیت اس کی عام ہے، مکانوں میں اور زمانوں میں اسی طور سے عام ہے اوضاع مختلفہ میں کہ پورب کی وضع کچھ اور ہے اور پچھاں کی وضع کچھ اور ہے، پچھاں کی بولی کچھ اور طور کی ہے اور پورب کی بولی کچھ اور طور کی ہے۔ سو معلوم ہوا کہ قابل عبادت کے اور لائق حمد وثنا کے وہی ایک ذات ہے کہ ہر چیز اس کی محتاج ہے اور ربوبیت اس کی خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ اس واسطے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا کہ کوئی سورج کو پوجتا

ہے اور کوئی چاند کو اور کوئی ستاروں کو تو غور کر کے جو دیکھا تو حق تعالیٰ کے روبرو ان سب کو عاجز پایا۔
اس وقت سب مشرکین کے طریقے سے بیزار ہو کر اپنے پروردگار حقیقی کی طرف رجوع کیا اور کہا[1] اِنِّیۡ
وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ سو حق تعالیٰ
نے اس اعتقاد کو بہت پسند کیا اور اس روز سے خلیل اپنا مقرر کیا۔ اب ایک تقریر اور بیان ہوتی ہے اس
کے سمجھنے سے ربّ العٰلمین کے معنی خوب ذہن نشین ہو جائیں گے۔ سو جاننا چاہئے کہ عالم میں جو موجود
ہے یا تو ذات ہے یا صفت۔ پھر ذات جیسے آسمان اور زمین، صفت جیسے رنگ اور مزہ اور بو، اور ذات کو
منطقی جوہر کہتے ہیں اور صفت کو عرض کہتے ہیں اور ذات کی دو قسم ہیں ایک جسم اور دوسری روح۔ جسم
اس کو کہتے ہیں کہ محسوس ہو اور طول عرض عمق رکھتا ہو۔ اور ایک صورت اور مقدار اس کی معین ہو اور اپنی
صورت اور مقدار کو چھوڑ کر دوسری صورت اور مقدار کو اختیار نہ کرے اور روح اس کو کہتے ہیں کہ محسوس
نہ ہو اور طول (لمبائی)، عرض (چوڑائی)، عمق (گہرائی) اور مقدار اور صورت معین نہ رکھے بلکہ جیسی
شکل چاہے ویسی اختیار کرے اور جیسی مقدار چاہے ویسی ہو جائے اور جو کچھ چاہے بن کر دکھلائی دینے
لگے۔ چاہے آدمی بن جاوے چاہے حیوان۔ اور مراد روح سے فقط جان ہی نہیں ہے بلکہ شامل ہے
ملائکہ اور جنات کو بھی۔ اور جسم کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک علوی اور ایک سفلی، اور علوی کی بہت سی قسم ہیں
جیسے عرش اور کرسی اور سدرۃ المنتہٰی ہے اور لوح اور قلم اور بہشت اور دوزخ، اور ستارے اور آسمان
ساتوں۔ اور سفلی کی دو قسم ہیں۔ ایک بسیط ہے کہ وہ ایک شے ہو اور کسی چیز سے مل کر بنی نہ ہو جیسے
پانی، آگ، ہوا، خاک۔ دوسری مرکب ہے کہ ان بسیط چیزوں سے مل کر بنی ہو، پھر اگر چاروں چیزوں
سے مل کر بنی ہے تو اس کو مرکب نام کہتے ہیں جیسے کہ[2] معدنیات اور نباتات اور حیوانات۔ اور ان تینوں
قسموں کو مرکب تام اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ چاروں چیزوں سے یعنی خاک اور پانی اور آگ اور ہوا
سے مل کر بنی ہیں اور اس کے اقسام کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی ہے۔ اور اگر تین سے یا دو سے مل کر بنی
ہو اس کو مرکب ناقص کہتے ہیں۔ اس قسم کی چیزیں بھی حق تعالیٰ نے بہت بنائی ہیں کہ بیان ان کا مشکل

[1] بے شک میں نے سامنے کیا منہ اپنا اس ذات کے کہ پیدا کیا اس نے آسمانوں کو اور زمین کو ایک طرف کا ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے ۱۲۔ [2] معدنیات جیسے کہ کان لوہے کی اور چاندی اور سونے وغیرہ کی۔ نباتات جیسے کہ درخت اور میوہ جات اور غلہ وغیرہ۔ حیوانات انسان اور فرس اور غنم وغیرہ ۱۲۔

ہے مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں کہ قدرت رب العالمین کی معلوم ہو جاوے جیسے کہ[1] بخار ہے یہ مرکب
ہے پانی اور ہوا سے اور غبار ہے کہ مرکب ہے خاک اور ہوا سے۔ یا دھواں ہے کہ مرکب ہے آگ اور
ہوا سے۔ ان تینوں سے رب العالمین نے عالم بہت سے پیدا کئے ہیں، غبار سے آندھی کو پیدا کرتا ہے،
بخار سے مینہ برساتا ہے اور جب بخار بہت دور چڑھ جاتا ہے تو وہاں جا کر سردی کھاتا ہے اس سے
برف پیدا ہوتی ہے اور اسی سے بجلی اور کڑک اور ستارے دم دار اور ستارے نئی نئی شکل کے پیدا ہوتے
ہیں اور جب بخار اور دھواں مل کر زمین میں بند ہو جاتا ہے پھر وہ حرکت کرتا ہے تو اس سے زلزلہ پیدا
ہوتا ہے اور جب صرف بخار زمین میں جا کر بند ہوتا ہے اور ہوا کی قوت سے باہر آتا ہے تو اس سے
چشمے جاری ہوتے ہیں، اور جو کچھ بخار درمیان آسمان اور زمین کے بہ سبب سردی ہوا کے رات کو جم
جاتا ہے پھر زمین پر گرتا ہے سو اس کو شبنم کہتے ہیں اور اگر جم کر زمین اور آسمان میں کھڑا رہتا ہے اس کو
کہر کہتے ہیں اور کہاسا بھی کہتے ہیں۔ اور بعضے شہروں میں یہی بخارات جم کر شکر سفید اور شکر سرخ کی
صورت میں ہو کر زمین پر برستے ہیں اس کو ترنجبین اور شیر خشت اور من کہتے ہیں۔ غرض جس کو رب
العالمین کی ربوبیت کا دریافت کرنا بالکل منظور ہو تو کتاب عجائب کائنات میں دیکھ لیوے۔ اور ارواح
کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک روح تو صرف نیک ہوتی ہے اس کو فرشتہ کہتے ہیں۔ اور ایک صرف بد
ہوتی ہے اس کو شیاطین کہتے ہیں۔ یا ملی ہوئی ہوتی ہے نیکی اور بدی سے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک
جن دوسرے بنی آدم۔ اور فرشتے بھی تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم کے وہ فرشتے ہیں کہ ان کو خدمت
ہے اجسام علوی کی جیسے کہ اٹھانے والے عرش کے اور نگاہ رکھنے والی کرسی کے اور داروغہ بہشت اور
دوزخ کے اور رہنے والے سدرۃ المنتہٰی کے اور مجاور بیت المعمور کے اور کھینچنے والے ستاروں کے اور
چرخ دینے والے آسمانوں کے اور دربان ان کے ہیں اور انہیں میں سے ایک فرقہ کہ اجسام سفلی سے
علاقہ رکھتے ہیں جیسے کہ فرشتے ابر اور ہوا پر موکل ہیں کہ ہر قطرے کے ساتھ آتے ہیں اور ہوا موافق حکم
کے چلاتے ہیں، اور بعضے فرشتے درختوں پر موکل ہیں اور بعضے آدمیوں کی محافظت کرتے ہیں اور ان
کے اعمال لکھتے ہیں۔ اور بعضے فرشتے مقرر ہیں اس بات پر کہ جو لوگ اسمائے الٰہی اور عزیمت پڑھیں
ان کی مدد اور اعانت کریں۔ مگر یہ جاننا چاہئے کہ بے حکم خدا تعالیٰ کے کسی میں کسی طرح کی کچھ طاقت

[1] بھاپ

نہیں ہے کہ اپنے اختیارات سے کچھ کرسکیں اور اپنے معتقدین کو کچھ نفع یا اپنے منکرین کو کچھ ضرر پہنچا سکیں۔ یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی ہے۔ اور دوست ان کا وہی ہے کہ جو اللہ کا بندہ فرمانبردار ہے اور دشمن ان کا وہی ہے کہ جو بندہ نافرمان ہے۔ اور **دوسری قسم** فرشتوں کی وہ ہے کہ عبادت میں مشغول ہیں اور خدمت ان کی تسبیح اور تقدیس اور ذکر الٰہی ہے۔ اس طرح کے فرشتے اتنے ہیں کہ بشر کا مقدور نہیں ہے کہ ان کو گن سکے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آسمانوں کی ایک بالشت بھر جگہ فرشتوں سے خالی نہیں ہے۔ جس جگہ دیکھنے میں آیا فرشتے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں یا رکوع میں ہیں یا سجود میں ہیں۔ **تیسری قسم** کے فرشتے وہ ہیں کہ بڑے بڑے کام عالم میں ان کی تدبیر سے ہوتے ہیں جیسے کہ وحی کا لانا اور رزق کا پہنچانا اور فتح و شکست کا دینا اور ارزانی اور گرانی کا کرنا اور مال و دولت کا دینا اور جان کا نکالنا اور ملک کا برباد کردینا۔ سو ان کاموں میں حق تبارک و تعالیٰ نے چار فرشتوں کو مقرر کیا ہے۔ (۱)۔ جبرائیل، (۲) میکائیل، (۳) اسرافیل، (۴) عزرائیل۔ اور ان کے فرمانبردار فرشتے بہت سے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کا حکم پہلے ان چاروں کو پہنچتا ہے، پھر یہ اپنے فرمانبرداروں کو حکم دیتے ہیں اور خود بھی کرتے ہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ تمام عالم کیساتھ ربوبیت رب العالمین کی بہت انواع و اقسام کی ہیں اور اسباب اس کے اس قدر ہیں کہ اس کا شمار بہت مشکل ہے۔ آدمی کا مقدور نہیں ہے کہ بیان کرسکے کیونکہ ایک پرورش انسان میں سینکڑوں اسباب ہیں۔ تفصیل اس کی نہیں ہوسکتی ہے۔ مگر مثال کے واسطے تھوڑا سا بیان کرتا ہوں تا کہ معلوم ہوجاوے کہ رب العالمین کی ربوبیت کو کوئی قیاس میں نہیں لاسکتا ہے۔ مثلاً آدمی ایک اپنی غذا کو غور سے دیکھے کہ جس کو دو دو اور تین تین وقت کھاتا ہے اور اس کی خوبیوں سے غافل رہتا ہے۔ سو نگاہ کرے کہ کس کس طرح کے اسباب ایک کھانے کے واسطے پیدا کئے ہیں۔ پہلے تو پانچ حواس دیئے ہیں کہ جس کو حواس خمسہ کہتے ہیں، ان میں سے ایک **قوت** چھونے کی دی ہے تا کہ آگ کی گرمی اور برف کی سردی اور تلوار کی برش کو دریافت کرے اور سخت اور نرم چیز کو پہچان کر کھاوے۔ اگر یہ قوت چھونے کی اس کو نہ دی ہوتی تو پتھر کو بھی منہ میں ڈال جاتا اور آگ کو بھی کھانے لگتا۔ غرض کوئی چیز نفع کرنے والی اور ضرر پہنچانے والی کو چھونے سے نہ پہچان سکتا۔ اور **دوسری قوت** سونگھنے کی دی ہے تا کہ جس میں بُری بو ہو اس کو نہ سونگھے اور نہ کھاوے۔ اگر یہ قوت نہ دی ہوتی تو مشک اور چرکین (پاخانہ) اس کے نزدیک برابر ہوتی۔ پھر **تیسری قوت**

دیکھنے کی دی ہے تا کہ خوش رنگ چیز کو دیکھ کر مسرور ہووے اور خواہش کرے اور اچھی اچھی چیزوں کو کھاوے اور بری بری چیزوں سے نفرت کرے۔ اگر یہ قوت نہ دی ہوتی تو خوش رنگ اور بدرنگ اس کے نزدیک برابر ہوتا۔ اچھی اور بری چیز کی قدر نہ ہوتی، اور نافع کی رغبت نہ کرسکتا اور ضار (مضر) سے بچ نہ سکتا۔ پھر **چوتھی قوت** سننے کی دی ہے تا کہ اچھی تحفہ چیز کا نام سن کے اس کو منگا کر کھائے، اور بری چیز کا نام سن کر اس سے بھاگے اور کوئی کہے کہ تجھ کو فلانا مارنے آتا ہے تو چھپ رہے۔ اور کوئی کہے کہ خلعت دینے آتا ہے تو بیٹھا رہے۔ اگر یہ قوت نہ دی ہوتی تو اچھی چیز پر رغبت نہ کرسکتا اور بری چیز سے بچ نہ سکتا۔ پھر **پانچویں قوت** چکھنے کی دی ہے تا کہ مزہ دریافت کرے کہ یہ چیز میٹھی ہے یا کھٹی ہے اور کڑوی ہے یا پھیکی ہے۔ اگر یہ قوت نہ دی ہوتی تو مزے سے واقف نہ ہوتا کہ کڑوی کون سی چیز ہے اور میٹھی کون سی ہے۔ اس کے آگے ایلوا اور مصری برابر ہوتا اور طبیعت اچھی طرح قبول نہ کرتی، ہمیشہ بیماریوں میں گرفتار رہتا۔ پھر رب العالمین نے حافظہ عنایت کیا تا کہ اچھی چیزوں کا مزہ اور رنگ اور خوشبو یاد رکھے۔ اگر حافظے کو پیدا نہ کرتا تو جب کھاتا جب ہی مزہ آتا تو پھر وہ مزہ بھول جاتا تو کیونکر فرمائش کرکے منگاتا اور کھاتا۔ پھر قوت کلام کرنے کی دی ہے تا کہ کھانے کے وقت فرمائش کرے کہ فلانی چیز میرے آگے لاؤ اور فلانی چیز کو اٹھا لے جاؤ یا فلانی چیز آج پکوانا اور فلانی چیز نہ پکوانا۔ پھر اگر یہ قوت نہ دی ہوتی تو جی چاہتا گوشت کو، آگے آتی دال، اور جی چاہتا دال کو تو آگے آتا گوشت۔ کس واسطے کہ بولا تو جاتا نہیں جو کچھ سامنے آتا وہی کھانا پڑتا، پھر پاؤں واسطے تلاش کے دیئے ہیں اور ہاتھ واسطے پکڑنے کے بنائے ہیں۔ اگر رب العالمین پاؤں نہ دیتا تو اپنی مرغوب غذا کو کیونکر تلاش کرکے لاتا۔ اور اگر ہاتھ نہ بناتا تو مانند جانوروں کے کھایا کرتا اور منہ کو اس واسطے بنایا ہے کہ معدے میں غذا کو پہنچا دے، اور دانت غذا کے چبانے کے واسطے بنائے ہیں تا کہ نگلنا غذا کا آسان ہوجاوے، اور زبان کو بنایا ہے تا کہ غذا کو ہلاوے اور چبانے کیلئے اس کو دانتوں کے نیچے لاوے اور تا کہ اس کا مزہ پاوے کہ پھر اس غذا کو رغبت کرکے منگاوے اور کھاوے، اور تھوک بنایا ہے اس واسطے کہ نوالہ تر ہوجاوے۔ اگر تھوک نہ بناتا تو ایک نوالہ حلق سے خشکی کے سبب اتارنا مشکل پڑتا۔ اور اگر نرخرہ حلق کا نہ بناتا تو کوئی نوالہ کہیں کا کہیں جا رہتا۔ پھر بڑی تکلیف پاتا۔ اور ربوبیت رب العالمین کی دیکھنا چاہئے کہ معدے[1] کو اس

[1] معدہ جس میں غذا پکتی ہے ۱۲۔

طرح بنایا ہے کہ جب تک اس میں غذا نہیں جاتی تب تک اس کا منہ کھلا رہتا ہے، اور جب اس میں غذا گئی تو اسی وقت اس کا منہ بند ہو جاتا ہے، پھر جب تک اس میں غذا پکتی ہے تب تک بند رہتا ہے۔ اگر اس وقت کھلا رہے تو غذا کچی رہے اور آدمی کو بدہضمی ہو۔ اور غذا کے پکانے کے واسطے معدے میں گرمی کو پیدا کیا ہے۔ پھر غذا بعد پکنے کے کیلوس[1] ہو کر رگوں میں کلیجے کو پہنچتی ہے۔ پھر وہاں جا کر پکتی ہے بعد اس کے خون ہو جاتی ہے۔ پکنے کے سبب کچھ اس میں سودا ہو جاتا ہے مانند دُرد[2] کے۔ پھر اس کو تلی جذب کرتی ہے اور کچھ اس میں صفرا ہو جاتا ہے مانند کف کے اس کو پتا جذب کرتا ہے اور کچھ اس میں کچا رہ جاتا ہے، وہ بلغم ہوتا ہے کہ غذا دماغ کی ہے پھر بھی خون پکتے پکتے جو پتلا پن رہ جاتا ہے اس کے واسطے دو گردوں کو پیدا کیا ہے تا کہ باقی پانی جو اس میں رہا ہے اس کو جذب کرے، پھر جب نرا خون رہ جاتا ہے تو اس کی تقسیم کے واسطے رگوں کو حکم فرمایا ہے تا کہ سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک غذا کو پہنچاویں۔ پھر بعض رگیں ایسی باریک ہیں کہ ان میں گاڑھی غذا نہیں جا سکتی ہے اس کے واسطے پانی پینا مقرر کیا ہے تا کہ غذا کو پتلا کر کے ان رگوں میں پہنچا دیوے۔ پھر بعد اس کے جو فضلہ باقی رہتا ہے اگر وہ معدے میں رہ جاوے تو مرض پیدا کرے سو اس کے واسطے نیچے معدے کی آنتیں پیدا کی ہیں اور ان میں طاقت دی ہے کہ وہ کھینچ کر اس فضلے کو دُبر کی راہ سے گرا دیتی ہیں اور جو گردوں نے کچھ پانی جذب کیا تھا اپنی غذا کے موافق اس کو پی لیتے ہیں اور باقی کو مثانے[3] کی طرف ڈال دیتے ہیں۔ تا کہ قبل کی راہ سے بول ہو کر نکل جاوے۔ پھر خاک کو پیدا کیا ہے تو غذا کے بیج کو اپنے میں ڈھانک رکھے، پھر پانی کو پیدا کیا ہے تا کہ اس کو تر کر کے اوگا لاوے، پھر ہوا کو بنایا ہے تا کہ اس کی رطوبت خشک کر کے مضبوط کرے۔ پھر جو شہر نشیب میں ہیں وہاں نہریں پیدا کی ہیں، بونے جوتنے کے واسطے۔ اور جو شہر بلندی پر ہیں اور وہاں نہریں جاری نہیں ہو سکتیں تو وہاں مینہ برسایا جاتا ہے۔ پھر مینہ کو اس طرح برساتے ہیں کہ جس میں شکل پرورش کی ہو۔ اگر تیزی کے ساتھ برساتے تو بہت سے کھیت برباد ہو جاتے اور پھل پھول گر پڑتے اور سراسر بربادی ہوتی۔ پھر پکانے کے واسطے اناج کے آفتاب کو بنایا ہے یعنی جب پودا زمین سے بلند ہوا تختی اس میں آئی۔ پھر جب بڑا ہوا تو رطوبت پانی کی اور ہوا کی اس کے اوپر تک اچھی طرح نہیں پہنچ سکتی ہے بلکہ جڑ تک رہتی ہے اس واسطے چاند اور

[1] کیلوس یعنی پتلی مانند آش جو اور بیچ چاولوں کے ۱۲ [2] دُرد یعنی تلچھٹ ۱۲ [3] مثانہ جس میں پیشاب رہتا ہے ۱۲

ستاروں کو پیدا کیا ہے تو ان کی تاثیرات سے رطوبت اس میں خوب سرایت کرے اور رطوبت اس میں پیدا ہو اور آفتاب کی گرمی سے جل نہ جاویں۔ پھر آفتاب اور چاند کا پھرنا بغیر پھرنے آسمان کے متصور نہ تھا اور آسمان کو بالذات حرکت نہ تھی۔ اس واسطے فرشتے مقرر کئے ہیں تا کہ آسمانوں کو پھرایا کریں۔ پھر سات فرشتے اور مقرر ہیں آدمی پر غذا کو لے کر اعضاؤں تک پہنچاتے ہیں اور سوا ان کے آنکھوں پر اور قلب پر اور فرشتے ہیں لیکن ان سب فرشتوں کو آسمانوں کے فرشتوں سے مدد پہنچتی ہے اور ان کو عرش کے اٹھانے والوں سے پہنچتی ہے۔ غرض کہ آدمی پر ہزاروں طور کی پرورش ہے اس میں سے ایک پرورش کا تھوڑا سا بیان ہوا کہ ایک غذا کے واسطے کتنے خادم پیدا کئے ہیں اور اگر غور کر کے دیکھئے تو تمام مخلوقات کو اس کے واسطے پیدا کیا ہے اور اس کو اپنی بندگی کے واسطے پیدا کیا ہے۔ خوب کہا ہے حضرت سعدی شیرازیؒ نے۔

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

اور جاننا چاہئے کہ تربیت دو قسم کی ہے ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو اپنے فائدے کے واسطے پالتا ہے تا کہ وہ چیز اس کے کام آوے جیسے کہ باغ کو پالنا اس واسطے کہ پھل لگیں اور ہم کھائیں یا لڑکے کو پالتے ہیں اس امید پر کہ بڑا ہو کر ہماری خدمت کرے۔ سو اس قسم کی پرورش کے مخلوق سزاوار ہے اس واسطے کہ عاجز ہے اور حاجت مند ہے۔ اور دوسری قسم کی پرورش وہ ہے کہ اسی کے فائدے کے واسطے پرورش کرے۔ سو یہ شان جناب رب العالمین کی ہے۔ اس طرح کی پرورش کا عقیدہ مسلمان کو چاہئے کہ خالق کی جناب میں رکھے اور اگر پہلی طرح کی پرورش کا عقیدہ رکھے تو مشرک ہے لیکن پرورش ہر ایک شے کی جدا جدا ہوتی ہے۔ مثلاً پرورش آدمی کی یہ ہے کہ اس کو روزی دینی، تندرستی بخشنی مراد اس کی پوری کرنا بلیات سے بچانا، اور سوا اس کے جو حاجت اس کو ہووے برلانا۔ اور جو پرورش درخت کی یہ ہے کہ وقت پر اس کو پانی دینا اور سرسبز رکھنا اور اس کو بار ور کرنا۔ اور پرورش فرشتوں کی یہ ہے کہ ان کو اپنی درگاہ کے قریب کرنا اور اپنا کلام سنانا اور اپنا جلوہ ان پر ڈالنا ان کی زندگی اس سے ہے

لیکن اس پرورش میں انبیاء اور اولیاء بھی شریک ہیں۔ یہاں تک کہ کھانے اور پینے کی بہت ان کو پرواہ نہیں رہتی ہے۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے برادر گر خوری تو نانِ نور
خاک ریزی برسر نان تنور

پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پرورش کو بھی رب العالمین سے طلب کریں تا کہ دونوں جہاں کی پرورش حاصل ہوئے۔

اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یعنی بہت مہربان بخشنے والا۔ چاہئے جاننا کہ پرورش کے واسطے دوقسم کی رحمت ہوتی ہے۔ **ایک تو** عین پرورش میں ہوتی ہے اگر رحمت نہ ہووے تو پرورش بھی نہ ہو سکے۔ وہ یہ ہے کہ خوب توجہ کرنا اپنے پروردے کے حال پر اور جو حاجت اس کی ہو مانگے یا نہ مانگے روا کرنا اور بلیات سے اس کو بچانا گو اس کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ سو اس پرورش پر رحمٰن کا لفظ دلالت کرتا ہے۔ اور دوسری قسم کی رحمت کی یہ ہے کہ بعد پرورش کے اس کو اس کے کمال کو پہنچانا اور اس کے کمال کو برباد نہ کرنا، سو اس پرورش پر لفظ رحیم کا دلالت کرتا ہے۔ اور رب العالمین کے بعد ان دونوں لفظوں کو لانے سے غرض یہ ہے کہ معلوم ہو جاوے کہ پرورش بغیر رحمت کے نہیں ہو سکتی، اور حق تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے یہ معنی ہیں کہ نیکی کو پہنچاوے اور شر کو دفع کرے۔ اور بعضے کہتے ہیں رحمٰن اور رحیم کے ایک معنی ہیں لیکن رحمٰن کے لفظ میں زیادہ رحمت ہے، اس واسطے کہ اس کے پانچ حروف ہیں اور اکثر قاعدہ ہے کہ زیادتی لفظ کی زیادتی معنی پر دلالت کرتی ہے اور رحیم میں اس سے کم رحمت ہے کیونکہ اس کے چار حرف ہیں۔ اسی واسطے رحمٰن کا لفظ خاص حق تعالیٰ کی ذات پاک کو سزاوار ہے۔ دوسرے پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے اور لفظ رحیم کا بندوں پر بھی بولنا درست ہے۔ ضحاک[1] نے کہا ہے کہ رحمٰن کا اشارہ ہے ظہور رحمت الٰہی کا آسمان کے رہنے والوں پر۔ اور رحیم کا اشارہ ہے ظہور رحمت الٰہی کا زمین کے رہنے والوں پر۔ گویا یوں فرمایا اللہ ہی پرورش فرماتا ہے اپنی رحمت سے آسمان والوں کو اور زمین والوں کو۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ رحمٰن اس کو کہتے ہی کہ اپنے دوست اور

[1] ضحاک نام محدثؒ

دشمن سب کو پرورش کرے اور عزت دے اور دشمنوں کو ذلیل کرے تو معنی اس کے یوں ہوئے ایسا اللہ کہ پالتا ہے اپنے دوست اور دشمن کو دنیا میں اور آخرت میں پالے گا اپنے دوستوں کو، ذلیل کرے گا اپنے دشمنوں کو۔ ابن مبارک[1] نے کہا ہے کہ رحمٰن وہ ہے جو کوئی اس سے مانگے اس کو دیوے، اور رحیم اس کو کہتے ہیں کہ جو کوئی نہ مانگے اس پر غصہ کرے کہ کیوں نہیں مانگتا۔ گویا کمال رحمت فرمائی بندوں پر کہ مانگتا ہے تو مانگ اور نہیں تو میں غصہ کروں گا کہ تو نے کوئی اور خداوند مقرر کیا ہے کہ اس سے مانگے گا۔ اس جگہ بندے کی ناانصافی کو دیکھئے کہ جو مالک ہے زمین اور آسمان کا اور وہ کچھ ہماری پرواہ نہیں رکھتا ہے اور وہ خود کہتا ہے کہ مانگ مجھ سے اگر نہ مانگے گا تو میں غصہ کروں گا اس سے تو یوں بھاگتا ہے اور جو کہ محتاج ہیں ان سے جا جا کر مانگتا ہے۔ قیامت میں دیکھئے کہ اس ظلم کے واسطے کون سے جہنم کا طبقہ مقرر ہوتا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ رحمٰن وہ ہے کہ طرح طرح کی نعمتیں دین اور دنیا کی دیوے۔ اور رحیم وہ ہے کہ تمام بلیات سے بچاوے، اور بعضے کہتے ہیں کہ رحمٰن اس کو کہتے ہیں جو بڑی بڑی چیزیں دیوے جیسے اولاد اور دولت اور سوا اس کے اور رحیم اس کو کہتے ہیں کہ جو چھوٹی چیزیں اس سے مانگی جاویں جیسے نمک اور جوتی اور گھاس جانوروں کے واسطے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ چھوٹی چیزیں بھی اللہ سے مانگنا چاہئے اور یہ اس واسطے فرما دیا ہے کہ یہاں کے بادشاہوں سے حقیر چیز نہیں مانگتے ہیں نقل ہے کہ ایک شخص نے ایک بادشاہ سے کیسے آسان مقدمے میں عرض کی۔ وہ بادشاہ بہت خفا ہوا اور اس کو جیل خانے میں بھیج دیا اور کہا کہ چھوٹے کام چھوٹے لوگوں کے واسطے مقرر ہیں مجھ سے چھوٹے کام کو جو اس نے کہا گویا مجھ کو ذلیل جانا اور برابر اہلکاروں کے سمجھا۔ سو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بادشاہ بے پرواہ ہوں اور میری عزت کے آگے اور پادشاہوں کی عزت غلاموں کے برابر بھی نہیں ہے۔ مگر ویسا پادشاہ بھی نہیں ہوں کہ بڑی چیزیں میں دوں اور چھوٹی چیزیں اوروں کے ہاتھ سے دلاؤں بلکہ حقیقت میں اگر دیکھو تو یہ ان کی محتاجی ہے کہ اہلکار انہوں نے مقرر کئے ہیں۔ اس واسطے کہ سب ان سے ہو نہیں سکتے ہیں اور میں پادشاہ صاحب عظمت اور زبردست ہوں۔ ایک لمحے میں سارے جہاں کی حاجت کو روا کر دیتا ہوں۔ سو رحمٰن بھی میں ہوں بڑی بڑی چیزوں کی طلب ہو تو مجھ سے کہو اور رحیم بھی میں ہوں۔ چھوٹی چھوٹی چیزیں مانگنی ہوں تو وہ بھی مجھ سے مانگو۔ اس اجازت کے بعد اگر کوئی چیز اگرچہ چھوٹی ہو اور سے مانگے گا تو سوائے دوزخ

[1] عبداللہ ابن مبارک محدثؒ

کے ٹھکانا کہیں نہ پاوے گا۔ اسی کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تجھ کو جو مانگنا ہے اللہ سے مانگ، یہاں تک کہ نمک بھی مانگے تو اسی سے مانگ اور جوتی بھی مانگے تو اسی سے مانگ۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ رحمٰن اس کو کہتے ہیں کہ بری چیز اس کی نذر کیجئے اور وہ اس کے بدلے میں اچھی چیز دیوے۔ اور رحیم کا لفظ دلالت کرتا ہے اس نعمت پر کہ لوگوں کے گمان میں وہ نعمت بندوں کی طرف سے پہنچ سکتی ہے جیسے کہ علاج کرنا طبیب سے اور علم پڑھنا استاد سے، سو معنی اس کے یہ ہوئے کہ میں رحمٰن ہوں، تو ناقص عبادت کرتا ہے اس کے بدلے میں سونے اور چاندی کے محل دیتا ہوں۔ ایک قطرہ گندہ منی کا ہوتا ہے اس سے خوبصورت لڑکا بنا کر تجھ کو دیتا ہوں۔ ایک بیج پرانا زمین میں سپرد کرتا ہے اس کے بدلے میں خاصا درخت سرسبز کر کے تیرے حوالے کرتا ہوں۔ اور میں رحیم ہوں جو توقع استاد سے اور پیر سے اور حکیم سے رکھتا ہے وہ مجھ سے رکھ میں بے استاد کے تجھ کو علم دونگا کہ جسکا نام علم لدنی ہے، بغیر پڑھے تجھ کو عالم کر دونگا، اور بغیر حکیم اور دوا کے تجھ کو تندرست کروں گا اور اگر کوئی کہے کہ رحمٰن اور رحیم کے معنوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا مہربان ہے اپنے بندوں پر پھر مہربان ہو کر غم اور بیماری اور حاجت کو کیوں پیدا کیا، یہ بات رحمت سے بہت بعید ہے۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ حقیقت میں عقل ہماری ناقص ہے کہ ان چیزوں کو خلاف رحمت کے جانتے ہیں۔ کیونکہ باپ لڑکے کو اپنی رحمت کی جہت سے مار مار کر اس کو ادب سکھاتا ہے اور اس لڑکے کے دل سے پوچھو تو اس کو عین عذاب جانتا ہے لیکن حقیقت میں وہ لڑکے کی نادانی ہے کہ اس کو عذاب جانتا ہے۔ یہ اسکی عقل کا قصور ہے۔ پھر جب وہ مکتب میں بیٹھتا ہے تو استاد اس کو کبھی لکڑیاں مارتا ہے کبھی ہاتھ باندھتا ہے۔ سات دن تک اس کو ایک لحہ فرصت نہیں دیتا ہے پھر جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو باپ اس کو حجامت کے واسطے زبردستی کرتا ہے، کہیں ناخن کٹواتا ہے کہیں بال منڈواتا ہے۔ پھر گھر میں ماں اس کو نہلاتی ہے، کہیں مل مل کے اسکا بدن دھوتی ہے اور وہ روتا جاتا ہے اور ان باتوں کو اپنے حق میں بے عقلی سے تکلیف جانتا ہے اور حقیقت میں کمال رحمت ہے۔ حق تعالیٰ اس کا اشارہ قرآن شریف میں فرماتا ہے[1] عَسٰٓی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَیۡئًا وَّهُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَعَسٰٓی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ قصہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہ

[1] قریب ہے کہ برا جانو گے تم ایک چیز کو اور وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور قریب ہے کہ دوست رکھو گے تم ایک چیز کو اور وہ بد ہے تمہارے لئے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ۱۲

السلام کا اس کا جواب شافی ہے کہ ایسے پیغمبر اولوالعزم کی سمجھ میں اسرار الٰہی نہ آئے اور حضرت خضر علیہ السلام پر اعتراض کرنے لگے، پھر دوسرا کوئی کیا سمجھے گا۔ پس آدمی کو چاہئے کہ اس کو رحیم مطلق اور رحمٰن برحق اعتقاد کرے اور اپنے تئیں مانند اطفال ناقص العقل کے جانے، اس میں ایمان باقی رہتا ہے۔ غرض حاصل کلام یہ ہے کہ اگر دنیا میں فقیر اور غریب نہ ہوتے تو صورت انتظام کارخانہ عالم کی نہ بندھتی اس واسطے کہ جب کوئی کسی سے غرض نہ رکھتا تو کیوں اپنی اوقات اس کی تابعداری میں گزارتا اور اس کے حکم کو اپنے اوپر اٹھاتا۔ پس یہ سب انتظام عالم کے برہم ہو جاتے، پس خلقت انسان کی مانند جانوروں کے پراگندہ پھرا کرتی جیسے جانور آپس میں ایک دوسرے کا کام نہیں کرتے ہیں ایسے ہی آدمی بھی ہو جاتے۔ جو کچھ انسان کے پیدا کرنے کا فائدہ تھا وہ حاصل نہ ہوتا اور حکمت پروردگار کی ظاہر نہ ہوتی۔ مثلاً اگر چور لوگ پیدا نہ ہوتے تو چوکیدار رکھنے کی کیوں حاجت ہوتی، اور اگر مرض نہ ہوتا تو طبیب اور عطار اور جراح معطل پڑے رہتے۔ اور اگر فقیر نہ ہوتے تو بادشاہ اور امیر بے لشکر اور بے خدمت گار کیا کر سکتے۔ پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ ہر بلا اور آفت میں رحمت رحمٰن کی چھپی ہوئی ہے کیونکہ اکثر اوقات بڑے بڑے امیر جو مرض میں گرفتار ہوتے ہیں تو محتاج حکیموں سے دوا کرتے ہیں اور محتاج عطاروں سے دوا خریدتے ہیں۔ وہ حکیم اور عطار غنی ہو جاتے ہیں اور حکیم ہر بیماری کے علاج سے آگاہ ہوتے ہیں اور عطار جراح کی دوا جمع کر رکھتے ہیں۔ پھر اگر حکیم موجود نہ ہو اور عطار دوا نہ رکھے تو علاج بیماری کا کیونکر ہووے۔ پس مرض امیروں کا حکیموں اور عطاروں کے حق میں رحمت ہے اور حکیم اور عطار امیروں کے حق میں رحمت ہیں۔ اسی طرح لشکر اور چوکیدار پادشاہ اور امیروں کے حق میں رحمت ہیں اور پادشاہ اور امیر لشکر اور چوکیداروں کے حق میں رحمت ہیں، پس چوروں کا ہونا اور امراض کا ہونا ہر امیر اور فقیر کے حق میں رحمت ہوا، اسی طرح ہر بلا کو کہ پیش آوے قیاس کرنا چاہئے۔ اور اگر بھلائی اس کی سمجھ میں نہ آوے تو یوں کہے کہ یہ آفت حکمت اور رحمت کے ساتھ ہے لیکن میری عقل ناقص میں نہیں آتی ہے اس کہنے میں ایمان کی درستی ہے بلکہ بعضے وقت وہ بلا اور آفت باطن میں بڑی عمدہ رحمت ہو جاتی ہے لیکن ظاہر میں بڑی بلا اور آفت عظیم معلوم ہوتی ہے اور عاقل اس میں حیران ہوتا ہے جیسے کہ قصہ حضرت مریم علیہ السلام کا کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر خاوند کے ان کو لڑکا دیا، ظاہر میں بڑی رسوائی اور سخت عیب ہے بلکہ اشرافوں اور نیک بختوں کے حق میں اس سے زیادہ کوئی رسوائی نہیں ہے۔ اسی واسطے حضرت مریم علیہ السلام کی قوم

نے دیکھ کر کہا کہ اے بہن ہارونؑ کی تیرا باپ نہ تھا برا آدمی اور ماں تیری نہ تھی بدکار، سو اس کو حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں رحمت فرمایا۔ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنا اس واسطے کہ مقرر کریں ہم اس کو نمونہ قدرت کا واسطے لوگوں کے اور رحمت اپنی طرف سے، غرض غلام کو نہ چاہئے کہ اپنے مولیٰ کے کاموں میں اعتراض کرے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

یعنی خاوند (مالک) ہے دن جزا کا۔ اور بعضے قاریوں نے مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی پڑھا ہے یعنی پادشاہ دن جزا کا۔ سو جاننا چاہئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے چند روز کے واسطے لوگوں کے املاک پر قبضہ دیا ہے سو اس پر نازاں ہو کر کوئی کہتا ہے کہ یہ مِلک میری ہے، کوئی کہتا ہے تیری کہاں سے آئی یہ تو میرے باپ اور دادے کی ہے۔ غرض کوئی چودھری اور کوئی زمیندار اور کوئی راجہ اور کوئی پادشاہ صاحب مُلک کہلاتا ہے۔ غرض ہر ہر شخص اپنا اپنا دعویٰ کرتے ہیں، اس واسطے اس دن خاوندی (مالکی) اور پادشاہی کو اپنے واسطے فرمایا کہ اے بندو اس دعویٰ پر اپنی اوقات نہ کھو اور ہماری یاد سے ہرگز غافل نہ ہو اور یہ جو چند روز تمہارے قبضہ میں کچھ املاک ہے اس کو خواب و خیال سمجھو۔ ایک روز ایسا آویگا کہ تمہارے سب دعوے غلط ہو جاوینگے اور ہر چیز ہماری کہلانے لگے گی اور معمول بھی یوں ہے کہ کسی جگہ کا جو زمیندار ہوتا ہے وہ اس زمین کو اور وہاں کے لوگوں کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے کہ وہ لوگ میری رعیت ہیں اور وہ زمین میری مِلک میں ہے، اور جب زمیندار پادشاہ کے روبرو جاتا ہے تو ہرگز اپنی طرف نسبت نہیں کرتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ میں رعیت اور پروردہ قدیم حضور کا ہوں۔ اور اگر پادشاہ کے روبرو یہ کلمہ کہے کہ وہ رعیت لوگ میرے ہیں اور زمین مِلک میری ہے تو پادشاہ اس سے ناخوش ہو اور نقیب چوبدار اس کو گستاخ اور بے ادب جان کر ذلیل کر کے نکال دیوینگے۔ سو حق تعالیٰ تو پادشاہوں کا پادشاہ ہے قیامت کے دن کوئی نہ کہے گا کہ یہ ملک یا محل یا یہ مکان میرا تھا کوئی شخص دعویٰ نہ کریگا اور کچھ نہ کہہ سکے گا سوا اس کے لِلّٰهِ[1] الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ سو پہلی قرأت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو چاہئے کہ مالک حقیقی اللہ جل شانہٗ کو جانے اور اپنے آپ کو چند روز کے واسطے تحویل دار سمجھے اور اللہ کے واسطے مال

[1] یعنی آج کے دن تمام جہان اور پادشاہی جہان کے واسطے اللہ ایک غالب کے ہے ۱۲

دینے میں دریغ نہ کرے کیونکہ مالک مال کا اللہ ہے جب اس نے دینے کا حکم دیا تحویل دار کو پھر بخل کرنا اس کا بے جا ہے اور دوسری قرأت سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ اپنی بادشاہی اور ریاست پر فخر کرے۔ فخر اس کو چاہئے کہ جو بادشاہ حقیقی ہو اور بادشاہ مجازی کو فخر کرنا سزاوار نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ظلم سے کسی کی زمین اور مکان اور ملک میں دخل نہ کرے کیونکہ آخر کو اس کے ہاتھ میں بھی نہ رہے گی۔ مالک حقیقی اور پادشاہ حقیقی اور ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے الحمد کے بعد تین صفتوں کو کیوں بیان کیا ہے اس میں نکتہ کیا ہے سو نکتہ اس میں یہ ہے کہ جو کوئی کسی کی تعریف اور ثنا کرتا ہے سو وہ تعریف تین چیز سے خالی نہیں ہوتی ہے یا تو تعریف کرنے والا زمانہ گذشتہ میں پرورش یافتہ اس کا ہوتا ہے یا بالفعل توقع فائدے کی اس سے رکھتا ہے یا یہ غرض ہوتی ہے کہ آئندہ کچھ فائدہ حاصل ہووے گا۔ سو ان تینوں صفتوں کے یہاں لانے میں اشارہ یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ مجھی کو حمد کرے اور پچھلی پرورش کو دیکھ لے کہ ماں کے شکم میں میں نے اس کو پالا ہے اور اگر اب توقع رکھتا ہے رحمت کی تو میں رحمٰن اور رحیم ہوں مجھی کو تعریف کرے۔ اور اگر توقع رکھتا ہے کہ آئندہ کو رحمت کرے تو میں مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہوں آئندہ کی توقع سے میری حمد کرے سو اس واسطے ان تین صفتوں کو فرمایا ہے تا کہ معلوم ہووے کہ فی الحقیقت لائق حمد کے اسی کی ذات پاک ہے اور جاننا چاہئے کہ جن عالموں نے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھا ہے وہ کہتے ہیں کہ مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے وہ قرأت کئی طرح سے بہتر ہے۔ **اول** یہ کہ مالکیت عام ہے آدمیوں پر بھی ہوتی ہے اور غیر آدمی پر بھی ہوتی ہے۔ مثلاً جانوروں اور درختوں وغیرہ پر بھی مالکیت ہوتی ہے بخلاف پادشاہی کے کہ پادشاہی صرف آدمی پر ہوتی ہے اور جانوروں وغیرہ پر نہیں ہوتی۔ **دوسری** یہ کہ مالک کو اپنے مملوک پر کمال اختیار ہوتا ہے چاہے اس کو بیچ ڈالے، چاہے کسی کو بخش دیوے، بخلاف بادشاہ کے کہ یہ اختیار اپنی رعیت پر نہیں رکھتا ہے۔ **تیسری** یہ کہ نسبت مالکیت کی مضبوط ہوتی ہے نسبت پادشاہی کے، کس واسطے کہ مملوک اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہو سکتا ہے اور رعیت کو ممکن ہے کہ رعیت ہونے سے ایک پادشاہ کے آپ کو خارج کرے اور دوسرے کی پادشاہی میں جا رہے لیکن غلام دوسرے کا از خود نہیں بن سکتا۔ **چوتھی** یہ کہ مملوک کو خدمت مالک کی واجب ہے، اور رعیت کو خدمت پادشاہ کی واجب نہیں۔ **پانچویں** یہ کہ غلام بے اذن مالک کے کچھ کام نہیں کر سکتا ہے اور رعیت بے حکم بادشاہ کے جو کچھ چاہے کر سکتی ہے اور **چھٹی** یہ کہ غلام امید

رکھتا ہے اپنے خاوند سے منفعت کی بخلاف پادشاہ کے کہ وہ خود امید رکھتا ہے رعیت سے اور نفع حاصل کرتا ہے اس سے کہیں خراج لیتا ہے کہیں محصول لیتا ہے۔ اور ساتویں یہ کہ غلام اپنے مولیٰ سے خوراک اور پوشاک اور رحمت اور عفو اور کرم چاہتا ہے اور رعیت پادشاہ سے کبھی حاجت پڑے تو عدل اور انصاف چاہتی ہے اور آدمی کو بہ نسبت عدل کے اور انصاف کے خوراک اور پوشاک اور عفو اور کرم اور رحمت کی بہت حاجت ہے بلکہ اسی واسطے حدیث قدسی میں خوراک اور پوشاک وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور عدل کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُہٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْکُمْ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُہٗ فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ یعنی اے بندو میرے تم سب بھوکے ہو مگر جس کو کھلاؤں میں پس کھانا مانگو مجھ سے کھانا دوں میں تم کو اے بندو میرے تم سب ننگے ہو مگر جس کو پہناؤں میں پس کپڑا مانگو مجھ سے کپڑا دوں میں تم کو۔ آٹھویں یہ کہ بادشاہ جب موجودات لیتا ہے تو بڈھوں کو اور ضعیفوں اور بیماروں کو نظری کرتا ہے اور مالک جب غلاموں پر نظر کرتا ہے تو ضعیفوں اور بیماریوں پر رحم کرتا ہے، تندرست غلاموں کو کہتا ہے کہ ان کی خدمت کرو۔ نویں یہ کہ قیامت کے دن پادشاہ بہت ہوینگے اور مالک سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہ ہوگا۔ دسویں مسئلہ فقہ کا ہے کہ جب مولیٰ نے نیت سفر کی کی یا نیت اقامت کی کی جو غلام کہ ہمراہ مولیٰ کے ہووے اس کو بھی بغیر نیت کرنے کے حکم مسافر یا مقیم کا ہو جاتا ہے بخلاف رعیت کے۔ اور جن عالموں نے مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ قرأت کئی طرح سے بہتر ہے۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ سے اول تو یہ کہ پادشاہ مالک بھی ہوتا ہے اور ہر مالک پادشاہ نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسری یہ کہ پادشاہ شہر میں بلکہ ملک میں ایک ہوتا ہے اور مالک ایک شہر میں بہتیرے ہوتے ہیں اور تیسری یہ کہ لفظ رب العالمین کا اوپر مالکیت کے دلالت کرتا ہے اور اگر اس جگہ پر بھی مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھا جاوے تو تکرار لازم آوے۔ اور چوتھی یہ کہ لفظ مَلِکْ کا بیچ نو دنہ (۹۹) نام کے آیا ہے۔ اور لفظ کا مالک کا وہاں نہیں آیا مگر مالک الملک آیا ہے سو وہ مَلِک کے معنوں میں ہے اور پانچویں یہ کہ آخر قرآن شریف کے مَلِکِ النَّاسِ آیا ہے اور اللہ کے کلام کے ختم میں اچھا لفظ ہونا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مَلِک بہتر ہے۔ اور چھٹی یہ کہ اطاعت پادشاہ کی اوپر سب کے واجب ہے اور اطاعت مالک کی ہر کسی پر واجب نہیں مگر اس کے غلاموں پر۔ غرض گفتگو اس میں بہت ہے، اس مختصر میں اتنا بیان ہی کافی ہے۔ اور جاننا

چاہئے کہ دن شرع شریف میں طلوع ہونے صبح صادق سے غروب ہونے آفتاب تک کو کہتے ہیں اور کبھی مطلق وقت کو بھی دن کہتے ہیں خواہ دن ہو یا رات ہو اور خواہ سال ہو خواہ ماہ ہو جیسے کہ کہتے ہیں جس روز فلانا شخص آوے گا تو یہ ہووے گا مراد یہ ہوتی ہے کہ جس وقت آویگا تو یہ ہوویگا یا اور جیسے کہتے ہیں کہ خندق[1] کے روز یوں اتفاق پڑا تھا حالانکہ خندق کی لڑائی کو برسوں گزرے سو یوم الدین میں بھی روز مراد نہیں بلکہ وقت مراد ہے یعنی وقت جزا کے اور اس وقت کی ابتداء نفخۂ ثانیہ سے ہے اور انتہا اس کی اس وقت تک ہے کہ اہل بہشت بہشت میں جاویں اور اہل دوزخ دوزخ میں جاویں اور جاننا چاہے کہ حق تعالیٰ نے اس سورے میں پانچ نام اپنے فرمائے، اللہ، رب، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین۔ سو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس سورے میں بندے کے پانچ سوال بھی ہیں تا کہ ہر ایک نام ہر ایک سوال کے مقابل آجاوے۔ وہ پانچ سوال یہ ہیں۔ ایک عبادت، دوسری استعانت، تیسری ہدایت، چوتھی استقامت، پانچویں انعام۔ گویا اس کا اشارہ یوں ہوا کہ لائق عبادت کے میں ہوں اس واسطے کہ نام میرا اللہ ہے اور اگر مدد مانگنا چاہے تو مجھی سے مانگ۔ کیونکہ میرا نام رب ہے، اپنی پرورش کی شان سے تیرا سوال رد نہ کروں گا۔ اور اگر ہدایت طلب کرے تو مجھی سے کیونکہ میں رحمٰن ہوں اپنی رحمت عام سے گمراہ نہ ہونے دوں گا۔ اور اگر استقامت چاہے تو مجھی سے چاہو کیونکہ میں رحیم ہوں اپنی رحمت خاص سے تیرے قدم کو ڈگمگانے نہ دونگا۔ اور اگر انعام کی خواہش ہو تو مجھی سے کہو کیونکہ میں مالک ہوں سارے جہاں کا، اپنے فضل سے تجھ پر بخشش کرونگا اور بعضے علماء نے ان پانچ ناموں کی تخصیص میں یوں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کی تعریف کرتا ہے تو چار وجہ سے کرتا ہے۔ اول یہ کہ اپنی ذات میں وہ شخص کمال رکھتا ہو اگرچہ احسان دوسرے پر نہ کرے۔ دوسری یہ کہ صاحب احسان ہو، لوگوں پر حمد اس کی واجب ہے۔ تیسری یہ کہ لوگ اس سے آئندہ طمع رکھتے ہوں، گو بالفعل احسان نہیں کرتا ہے۔ چوتھی اس کے غضب سے ڈر کر تعریف کرتے ہیں جانتے ہیں کہ اگر ہم تعریف نہ کریں گے تو خفا ہوویگا سو اس جگہ گویا یوں فرمایا کہ درحقیقت تعریف کے قابل میری ذات پاک ہے کیونکہ میں اللہ ہوں اپنی ذات میں پورا کمال رکھتا ہوں۔ اے بندو میرے کمال کی تعریف کرو گو میں حکم کروں یا نہ کروں کس واسطے کہ صاحب کمال

[1] مدینہ شریف کو کفار نے آکر محاصرہ کیا تھا۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گرد مدینے کے خندق کھودی تھی اس لڑائی کو غزوہ خندق اور روز خندق کہتے ہیں ۱۲

نہیں کہتا ہے کہ میں صاحب کمال ہوں میری تعریف کرو بلکہ اس کا کمال خود بخود مقتضی اس بات کا ہے کہ تعریف اس کی کی جاوے۔ مثلاً کوئی شخص کسی علم میں یا کسب میں پورا کمال رکھتا ہے لوگ اس کی خود بخود تعریف کریں گے اگرچہ وہ کہے یا نہ کہے لیکن اس کا کمال اقتضا کرتا ہے اس پر کہ اس کی تعریف کیجئے اور اگر بندہ یوں چاہے کہ کوئی احسان کرے تو میں اس کی تعریف کروں، سوائے بندے میرا نام رب ہے میں احسان بھی کر چکا ہوں کہ تجھ کو عدم سے وجود میں لایا ہوں سو میری ربوبیت کو دیکھ کر میرے تعریف بجالا اور نام میرا رحمٰن ہے، بالفعل میرے احسان کو دیکھ کر شکر ادا کر اور آگے کو بھی متوقع ہو کر میری صفت کر کیونکہ میرا نام رحیم ہے میں آگے بھی دوں گا۔ اور اگر تجھے ان چیزوں کی لالچ نہیں ہے تو میرے خوف سے میری تعریف کر کیونکہ میرا نام مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے اگر میری تعریف نہ کرے گا تو بڑے سخت عذاب میں پڑے گا۔ اور بعضوں نے ان پانچ ناموں کے خاص ہونے کی وجہ میں اس جگہ کہا ہے گویا یوں ارشاد فرمایا کہ لائق تعریف کے میں ہوں کیونکہ اپنی ربوبیت کی جہت سے تجھ کو عدم سے وجود میں لایا اور جب دنیا میں آیا تو اپنی ربوبیت کی جہت سے تجھ کو پرورش کیا اور جب بڑا ہوا تب گناہ کرنے لگا تو اپنی رحمانیت کی شان سے اس گناہ کو چھپایا اور خلق میں رسوا نہ کیا، اپنا نام رحیم بتایا تا کہ رحمت والا جان کر توبہ کرے پھر اس توبہ کے بعد ثواب کا امیدوار کیا اور آپ کو مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا کہ مالک جان کر امیدوار ثواب کا رہے۔ غرض یہاں تک بندہ اپنے خاوند (مالک) کی صفت اور ثنا میں لگ رہا تھا اور اس کے دربار سے غائب تھا کیونکہ کہیں رب العالمین کی ربوبیت کے اقسام ڈھونڈ کر نکالتا تھا اور کہیں الرحمٰن الرحیم کے رحم اور مہر کا بیان کرتا تھا اور کہیں مالک یوم الدین کی مالکیت اور عظمت کو تلاش کرتا تھا سو جب اپنی استعداد کے موافق حق تعالیٰ کی خوبیاں بیان کر چکا تب دربار کے آنے کے قابل ہوا۔ سو اب دربار میں حاضر ہو کر کہتا ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ

یعنی خاص تجھی کو عبادت کرتے ہیں ہم۔ اور حقیقت عبادت کی تعظیم بجالانا ہے۔ اور تعظیم شرع شریف میں کئی قسم پر ہے بعضی تعظیم ساتھ ظاہر کے تعلق رکھتی ہے اور بعض ساتھ باطن کے رکھتی ہے۔ اور وہ جو ساتھ ظاہر کے تعلق رکھتی ہے اس میں سے بعضی زبان سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ کہ اللہ کا ذکر کرنا

زبان سے اور پڑھنا قرآن شریف کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور کرنا تسبیح اور تہلیل کا اور دعا کرنا اور وظیفہ پڑھنا، اور بعضی عبادت آنکھ سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ دیکھنا[1] کعبہ شریف اور مسجدوں کا اور دیکھ کر پڑھنا قرآن شریف کا اور دیکھنا کتب احادیث اور تفسیر اور فقہ کا اور دیکھنا بزرگوں کا اور دیکھنا انبیاء اور شہیدوں اور نیک بختوں کی قبروں کا کہ جان اپنی انہوں نے اللہ کی راہ میں دی ہے اور دیکھنا آسمان کا اور ستاروں کا اور کشتی کا اور دریا کا اور درختوں کا کیونکہ یہ سب چیزیں دلیل ہیں حق تعالیٰ کی وحدانیت کی، لیکن کھیل کی طرح نہ دیکھے بلکہ عبرت کی نگاہ سے دیکھے جس طرح اولیاء انبیاء دیکھتے ہیں اور قبروں کو بھی اسی طرح دیکھے جس طرح اور بزرگ دیکھتے تھے، مثلاً شہید کی قبر کو دیکھے تو یہ تصور کرے کہ میرا خداوند مجھ کو بھی یہ رتبہ عنایت فرمائے جو درجہ ان کا ہے وہ میرا بھی کرے۔ اگر کسی نیک بخت کی قبر کو دیکھے تو یوں کہے کہ اللہ مجھ کو بھی ایمان سے مارے اور ان لوگوں میں ملا دے اور جب قبر کو دیکھے موت کو یاد کرے کہ ایک دن مجھ کو بھی یہاں آنا ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ قبروں پر جا کر یہ الفاظ پڑھا کرے۔[2] اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَآ اَهْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَّ نَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُتَقَدِّمِيْنَ مِنَّا وَالْمُتَاَخِّرِيْنَ اَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَيَرْحَمُنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ ۔ اور موت کو یاد کرنے کو قبرستان میں جاوے، نقش و نگار دیکھنے کو نہ جاوے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب قبرستان میں جاتے تھے تو بہت رویا کرتے تھے یہاں تک روتے تھے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ پھر جب کوئی پوچھتا کہ آپ اتنا کیوں روتے ہیں تو فرماتے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر پہلی منزل ہے آخرت کی منزلوں کی، اگر

[1] تواریخ ارزاقی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کعبہ شریف پر ۱۲۰ ایک سو بیس رحمت نازل فرماتا ہے۔ سو ساٹھ اس میں سے طواف کرنے والوں اور چالیس نماز پڑھنے والوں پر اور بیس اس کے دیکھنے والوں پر اور حدیث میں ہے النظر علی الکعبۃ عبادۃ یعنی دیکھنا طرف کعبہ کے عبادت ہے ۱۲

[2] سلام اوپر تمہارے اے صاحب قبروں کے مسلمانوں اور مومنوں سے تم ہمارے اگلے ہو اور ہم تمہارے پچھلے ہیں اور تحقیق ہم اگر چاہا اللہ نے تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ مہربانی کرے اللہ اگلوں پر ہمارے اور پچھلوں پر مانگتا ہوں اللہ سے اپنے اور تمہارے واسطے عافیت بخشے اللہ ہم کو اور تم کو اور رحم کرے اللہ ہم کو اور تم کو ۱۲

یہاں امن پائی تو آگے بھی امان ہے اور اگر یہاں پکڑا گیا تو آگے بھی پکڑ ہے، سو قبروں کا دیکھنا عبادت اسی طور سے ہے اور بہتر نہیں ہے قبروں پر دور دور سے تکلیف اٹھا کر جانا خصوصاً عوام کے حق میں تو زہر قاتل ہے اگرچہ خواصوں کو اہل اللہ کی قبروں سے فائدہ ہوتا ہے لیکن جب امت میں فساد واقع ہووے تو خواصوں کو چاہئے کہ امر مستحب یا مباح کو رفع فساد کے واسطے ترک کر دیں۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ امید ثواب کی ہے۔ اور عبادت کان کی قرآن شریف کا سننا اور وعظ کا اور اللہ رسول کے ذکر کا ہے اور جانوروں کی آوازوں کو سن کر اللہ کی قدرت کو جاننے اور اس کی محبت اپنے دل میں پیدا کرے اور حرام آوازوں کو جیسے طبلہ، سارنگی، ستار، ڈھولکی، بانسلی، مور چنگ اور نامحرم جوان عورت کی آواز ان چیزوں سے بہت پرہیز کرے۔ اور امام اعظمؒ نے تو راگ کی آواز سے بھی پرہیز کیا ہے، لیکن عیدین اور شادی میں فقط راگ آواز سے سننا بغیر مزامیر کے درست ہے۔ اور ہاتھوں کی عبادت ہے قرآن شریف اور حدیث کا لکھنا اور اسمائے الٰہی لکھنے اور کسی حاجت مند کا خط لکھ دینا اور کسی کا بغیر سودی تمسک لکھ دینا کسی کو دعا لکھ دینی۔ اور پاؤں کی عبادت یہ ہے کہ طرف مسجد کے جانا اور واسطے زیارت بزرگوں کے جانا اور واسطے جہاد کے جانا اور ضعیفوں اور لنگڑوں کا کام کر دینا اور وعظ کی مجلس میں حاضر ہونا۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی علم سیکھنے جاتا ہے تو فرشتے اس کے پاؤں کے تلے اپنے پر بچھاتے چلتے ہیں اور فرمایا کہ خوشی سنا دو ان لوگوں کو کہ اندھیری رات میں مسجد کی طرف اپنے پاؤں سے آتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے واسطے انعام پورا پورا ہووے گا۔ اور جو عبادت باطن سے تعلق رکھتی ہے سو وہ فکر کرنا ہے اللہ کی قدرت میں اور قرآن شریف کے معنی میں اور آیات کی توجیہات اور مطابقت اُس کی میں اور شریعت کے حکموں میں سے کہ اس حکم میں کیا فائدہ ہے جس بندے کو یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اس کو عبادت میں ایسا مزہ آتا ہے کہ کسی چیز میں نہیں آتا ہے۔ فکر کی فضیلت میں حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک ساعت کا فکر کرنا ۷۰ ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ اس میں حق تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کھلتی ہے اور شریعت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور یہی مغز عبادت کا ہے پس فکر عبادت عقل کی ہے جس نے فکر کی اس نے اپنی عقل کو عذاب الٰہی سے نجات دی اور نفس کی عبادت صبر کرنا ہے۔ تکلیف شرعی پر جی چاہے نہ چاہے جیسے کہ گرمی میں روزہ اور جاڑہ میں وضو اور غسل کا کرنا اور اللہ کے واسطے اپنے کو مسجدوں میں بند کرنا یعنی

اعتکاف کرنا اور صبر کرنا اوپر مصیبت کے جیسے کہ اولاد کا مرجانا مال کا برباد ہو جانا، اگر کوئی مصیبت بندے پر پڑ جاوے تو صبر کرے اور اگر بہت محبت بندے کو جوش مارے تو رو لیوے مگر زبان اور ہاتھ کو بند رکھے یعنی منہ سے بے صبری کی باتیں نہ کرے کہ میری کمائی لٹ گئی اور مجھ پر ظلم ہو گیا اور سوا اس کے جو نوحے میں ہوا کرتا ہے اور ہاتھوں سے منہ نہ پیٹے اور گریبان کو چاک نہ کرے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حدیث: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدُعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ یعنی نہیں ہمارے میں سے وہ شخص جو پیٹے منہ کو اور پھاڑے گریبان کو اور پکارے پکارنا جاہلیت کا یعنی نوحہ کرے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن نوحہ کرنے والے کو دوزخ میں گندھک کا کپڑا پہنا کر ڈالیں گے اور نوحہ گر پر اللہ اور فرشتے لعنت کرتے ہیں اور نوحہ کرنا کسی پر درست نہیں ہے، شریعت میں خواہ نبی ہو خواہ نبی زادہ حکم شریعت کا سب پر برابر ہے۔ حدیث: اَلنَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ یعنی نوحہ گر جس وقت توبہ نہ کرے پہلے موت اپنی سے تو اٹھائی جائے گی قیامت کے دن اور اس پر ہووے گی اِزار گندھک کی اور چادر چیڑھ کی، پھر اگر بیٹی بیٹا مر گئے ہوں یا باپ بھائی مر گئے ہوں تو اگر عورت تین دن تک سوگ کرے یعنی مسّی کا جل نہ کرے اور سرمہ اور مہندی نہ لگاوے اور پان نہ کھاوے اور چوڑیاں اور کپڑا رنگا ہوا نہ پہنے اور عطر نہ لگاوے، یہ چیزیں تین دن تک نہ کرے تو درست ہے اور اگر یہ چیزیں کرے تو بھی درست ہے اور سوگ کے حق میں یہ حدیث ہے کہ روایت ہے زینبؓ سے کہ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوْهَا اَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ بِطِيْبٍ فِيْهِ صُفْرَةٌ فَدَهَنَتْ بِهٖ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضِهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَالِيْ بِالطِّيْبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تَحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثِ اَيَّامٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا یعنی کہا زینبؓ نے کہ داخل ہوئی میں حضرت ام حبیبہؓ کے گھر میں جس وقت مر گیا تھا باپ اس کا ابوسفیان بن حرب پس منگایا ام حبیبہؓ نے اوبٹنہ کہ زردی اس میں ملی ہوئی تھی پس لے آئی لونڈی اس کو پھر ملا اس نے رخساروں کو، پھر کہا خدا کی قسم نہیں تھی مجھ کو اوبٹنے کی کچھ حاجت مگر سنا ہے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ فرماتے تھے نہیں حلال

ہے واسطے اس عورت کے کہ جو ایمان لائی ہے اللہ پر اور روز آخرت پر یہ کہ سوگ کرے میت پر تین روز سے زیادہ مگر خاوند مر جاوے تو ان چیزوں کو دس دن چار مہینے نہ کرے، اس سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے۔ تین دن کے بعد کسی قریب کے مرنے میں یا دس دن چار مہینے کے خاوند کے مرنے میں محلے کی عورتیں جمع ہو کر سوگ موقوف کرا دیویں اور یہ جو لوگوں نے سوگ میں داخل کیا ہے کہ چارپائی پر نہیں سوتے ہیں اور چالیس دن سوگ کرتے ہیں اور ٹاٹ بچھاتے ہیں اور عید اس سال میں آجاتی ہے تو عید نہیں کرتے ہیں، سال بھر تک سویاں نہیں بٹتے ہیں اور چالیس دن تک رونا آوے یا نہ آوے صبح کو اٹھ کر اکٹھے ہو کر روتے ہیں اور اس کے کپڑے نجس جان کر دے ڈالتے ہیں اور چہلم کے روز روح نکلواتے ہیں اور قبر پر روشنی کرتے ہیں اور چادر ڈالتے ہیں اور قبر پر مل کر عورتیں جاتی ہیں یہ سب باتیں بدعت ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان سب باتوں کے پاس نہ جاوے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بدعت والے کی نماز اور حج اور عدل اور صدقہ اور نفل اللہ جل شانہٗ قبول نہیں کرتا ہے۔ سو جو شخص اوپر والی باتوں کو جو پہلے بیان ہوئیں بجا لایا اور پچھلی باتوں سے پرہیز کیا تو نفس کی عبادت سے فراغت پائی اور اس کو عذاب الٰہی سے نجات ہوئی۔ اور عبادت قلب کی یہ ہے کہ اللہ کے دوستوں سے دوستی کرے اور دشمنوں سے دشمنی کرے اور اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا رہے جس نے یہ کیا اپنے دل کو عذاب سے بچایا۔ اور عبادت روح کی یہ ہے کہ کوشش کرے کہ انوار الٰہی کے مشاہدے کے واسطے جس نے یہ کیا اپنی روح کو اللہ کے غضب سے بچایا اور عبادت سر کی یہ ہے کہ اس کی عبادت میں اپنے سر کو جھکاوے اور مراقب ہو کر بیٹھا کرے جس نے یہ کیا تو سر کی عبادت بجا لایا۔ اور وہ عبادت جو مال سے تعلق رکھتی ہے یہ ہے کہ زکوٰۃ دیوے اور صدقہ فطر نکالے اور قربانی کرے۔ اور فقرا علماء حفاظ کی اور اپنے اقربا کی خدمت کرے۔ **اور بعضے لوگ** اپنی قوم اور برادری کی خاطر اللہ کی عبادت کو اور اس کے حکموں کو برباد کرتے ہیں اور اولیاء کی ایسی تعظیم کرتے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کو چاہئے۔ مثلاً نذریں اور قربانیاں ان کے ناموں کی دیتے ہیں بلکہ بعض لوگ اولیاء کے قبور کے ساتھ اور ان کے معابد اور مساکن کے ساتھ وہ افعال کرتے ہیں کہ جو مساجد میں اور کعبہ شریف میں چاہئے۔ کوئی معابد اور مساکن کی جگہ سر کو رکھتا ہے اور کوئی گرد ان کی قبروں کے پھرتا ہے اور کوئی ہاتھ باندھے نماز کی طرح روبرو قبروں کے کھڑا ہوتا ہے اور کوئی ان کے مساکن میں ان کی

صورت کا تصور کر کے بیٹھتا ہے اور خیال نہیں کرتے کہ پانچ وقت نماز میں کھڑے ہو کر اللہ کے سامنے کہتے ہیں ایاک نعبد یعنی ہم تجھی کو عبادت کرتے ہیں سو قیامت کے دن ایسے لوگ بڑے شرمندہ ہوویں گے کیونکہ حکم ہووے گا کہ یہ بندہ بڑا دلیر ہے کہ پانچ وقت دربار میں آن آن کر اپنی زبان سے کہتا تھا کہ میں تجھی کو عبادت کرتا ہوں اور دل میں یہ خیانت بھری ہوئی ہے سو ہم کو یہ نہ چاہئے کہ خدا کی جگہ رسول کو جانیں اور رسول کی جگہ کسی ولی کو جانیں، حفظ مراتب بہت ضروری ہے اس میں ایمان قائم رہتا ہے جیسا کہ کہا ہے "گر حفظ مراتب نکنی زندیقی" اور **بعضے لوگ** عبادت رسمیہ کرتے ہیں۔ عبادت رسمیہ اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص ہے کہ نماز روزہ ادا نہیں کرتا ہے اور حرام کھانے پینے سے کچھ پرہیز نہیں رکھتا ہے مگر ناچ نہیں دیکھتا اور شراب نہیں پیتا اور جوا نہیں کھیلتا ہے پھر کوئی اس سے پوچھے کہ تو یہ کام کیوں نہیں کرتا ہے تو وہ یوں جواب دیوے کہ میرے خاندان میں یہ بات نہیں ہوئی ہے اور اشراف لوگ اس کام کو نہیں کرتے ہیں سو اس کا یہ ناچ نہ دیکھنا اور شراب نہ پینا اور جوا نہ کھیلنا اگرچہ بہتر کام ہے لیکن جو نیت میں فرمانبرداری حکم خدا کا خیال نہیں ہے، اگر یہ خیال ہوتا تو نماز روزہ بھی ادا کرتا اور حرام کھانے سے بھی پرہیز رکھتا بلکہ لحاظ اپنے خاندان کا اور اپنی شرافت کا ہے لہٰذا اس کو ثواب نہ ہوگا کیونکہ اگر خاندان میں اس کے یہ کام ہوتا تو وہ مقرر ہی کرتا پس گویا وہ پوجنے والا اپنے خاندان کا ہے اللہ کا نہیں ہے۔ اور آدمی کو چاہئے کہ اپنے پروردگار کے برابر کسی اور کو نہ جانے اور برابر نہ جاننے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی سی تعظیم کسی اور کی نہ کرے اور اس کی عبادت میں کسی اور کا ساجھا نہ کرے۔ بحکم آیت کریمہ کے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یعنی نہ مقرر کرو واسطے اللہ کے ہمسر اور تم جانتے ہو کہ برابر اس کے کوئی نہیں ہو سکتا ہے یعنی اللہ کے کاموں میں اور اس کی عبادت میں اور اس کی صفات میں کسی اور کا ساجھا نہ کرو، اس میں اللہ کی برابری ہو جاتی ہے جیسا کہ بعض لوگ غیروں سے اولاد مانگتے ہیں اور ان کی نذریں اور منتیں قبولتے ہیں اور جب اولاد ہوتی ہے تو ان کے نام سے ان کے نام بنا کر رکھتے ہیں جیسے کہ بندہ علی، بندہ حسین، عبدالنبی، مدار بخش، سالار بخش اور سوا اس کے جو نام ایسے ہیں ان کو نہ رکھنا چاہئے اور ارادت میں شرک یہ ہوتا ہے کہ کہتے ہیں اللہ اور رسول چاہے گا تو یوں ہووے گا۔ اللہ اور مرشد چاہے گا تو یوں ہوویگا، چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ سے ایک روز ایک شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ یعنی جو اللہ

چاہے گا اور تم چاہو گے تو یہ کام ہو جاویگا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا یعنی مقرر کرتا ہے تو مجھ کو واسطے اللہ کے برابر۔ اور ابن ماجہ اور امام احمد اور نسائی اور ابو داوٗد نے حذیفہ بن یمان سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا تَقُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰہُ وَشَآءَ فُلَانٌ بَلْ قُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ یعنی نہ کہو جو چاہے اللہ اور چاہے فلانا بلکہ کہو جو چاہے اللہ اور پھر چاہے فلانا، غرض حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی یوں نہ کہے کہ اللہ اور تم چاہو گے تو ہو جاویگا بلکہ یوں کہے کہ اللہ چاہے گا اور اس کے بعد تم بھی چاہو گے تو ہو جاوے گا۔ اور ایک فرقہ پیر پرستوں کا ہوتا ہے سو وہ لوگ اللہ کے علم کے برابر پیروں کے علم کو سمجھتے ہیں اور اپنا حاجت روا جان کر ایسی تعظیم کرتے ہیں جو تعظیم خدا کو چاہیے۔ جیسے سجدہ کرنا اور ان کے واسطے کلمات ندائیہ[1] خلاف شرع زبان پر لاتے ہیں یہ امور درست نہیں۔ اور بعضے لوگ بندوں کے نام کا ذکر کرتے ہیں، مانند نام خدا کے اور صبح کو وظیفے کی طرح پڑھتے ہیں اور بعضے لوگ سواپہر کا روزہ رکھتے ہیں، کوئی حضرت بی بی کے نام کا روزہ رکھتا ہے اور کوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام کا رکھتا ہے، اور کوئی حضرت خضر علیہ السلام کے نام کا رکھتا ہے سو یہ درست نہیں اور جاننا چاہیے کہ جیسے عبادت سوا حق تعالیٰ کے کفر ہے ویسے ہی متابعت بالاستقلال سوا اس کے کفر ہے اور شرک ہے اور متابعت بالاستقلال اس کو کہتے ہیں کہ اس شخص کے حکم اور تقلید کو واجب جانے اگرچہ اللہ کا حکم اس کے خلاف ہووے۔ اس متابعت کو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ یعنی پکڑا ہے انہوں نے اپنے مولویوں کو اور اپنے درویشوں کو خدا سوا اللہ کے اور مسیح بیٹے مریم کو۔ اور جن لوگوں کی متابعت فرض ہے بحکم خدا سو وہ چھ گروہ ہیں ایک تو انبیاء ہیں اور دوسرے مجتہدان شریعت ہیں اور تیسرے سلاطین دین اور ان کے نائب اور چوتھے جورو کو خاوند کی متابعت فرض ہے اور پانچویں اولاد کو والدین کی اطاعت فرض ہے اور چھٹے غلام کو مولیٰ کی اطاعت فرض ہے لیکن مطلق متابعت ان کی بھی فرض نہیں ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ اپنے حق میں فرمایا ہے اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ مِنْ اُمُوْرِ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِهٖ۔ یعنی تم خوب جانتے ہو امور اپنے دنیا کے مگر جس وقت حکم کروں میں تم کو ساتھ امور دینی کے پس پکڑ لو اس کو یعنی دنیا کے کام تم خوب جانتے ہو۔ اس واسطے

[1] جیسے یا علیؓ، یا حسینؓ، یا شیخ عبدالقادرؒ ۱۲

کہ تم کرتے رہتے ہو۔ سو اگر دنیا کے مقدمے میں کوئی حکم تم کو دوں میں تو اس کو غور کرو اگر مناسب ہووے تو بجا لاؤ اور نہیں تو کچھ ضرور نہیں مگر جب دین کی بات میں کوئی بتاؤں تو اس کو اسی وقت پکڑ لو اور حدیث میں آیا ہے کہ بریرہؓ ایک لونڈی تھی کہ اس نے بہ سبب آزاد ہونے کے اپنے خاوند کو چھوڑ دیا تھا سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ اپنے خاوند سے تو پھر نکاح کر لے اس نے کہا آیا آپ رسالت کی راہ سے حکم دیتے ہیں یا سفارش کی راہ سے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفارش کی راہ سے کہتا ہوں اس نے کہا کہ میں نہیں اس کو اختیار کرتی۔ سو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا حال معلوم ہوا یعنی امور دنیا میں موافق مصلحت کے کیا چاہیے جو خلاف شرع نہ ہووے۔ اب باقی رہے پانچ گروہ مذکور سو ان کے حق میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ یعنی متابعت مخلوق کی درست نہیں بیچ گناہ خالق کے یعنی جس میں گناہ خالق کا ہو اس میں متابعت مخلوق کی نہ کرے۔ غرض کلام کا یہ ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہنا اس وقت کام آوے گا کہ مطلق کفر اور شرک سے پرہیز کرے اور بندہ جس وقت سچے دل سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتا ہے تو حق تبارک وتعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ سچ کہتا ہے بندہ میرا مجھی کو عبادت کرتا ہے اور جب زبان سے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتا ہے اور دل میں شرک بھرا ہوتا ہے تو اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ جھوٹ کہتا ہے مجھ کو عبادت نہیں کرتا بلکہ غیروں کی عبادت کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

یعنی تجھ سے مدد چاہتے ہیں ہم۔ عبادت کے بعد اس لفظ کو اس واسطے بیان کیا ہے کہ عبادت کرتے کرتے تکبر نہ پیدا ہووے، عبادت کرنے میں اسی کی مدد جان کر گویا یوں عرض کرتا ہے کہ تیری عبادت بغیر تیری مدد کے نہیں ہوتی ہے اور دوسری وجہ اس لفظ کے لانے کی یہ ہے کہ جہان میں تین گروہ ہیں ایک جبریہ، دوسرے قدریہ، تیسرے اہل سنت۔ سو مذہب جبریوں کا یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ اختیار نہیں رکھتے اور مانند سنگ اور چوب کے ہیں اور بے اختیار حرکت ہم سے ہوتی ہے، ہم اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ اور قدریہ کہتے ہیں کہ ہم اختیار تمام رکھتے ہیں اور حرکات افعال ہمارے جو ہوتے ہیں سو وہ ہماری ایجاد سے ہوتے ہیں سو یہ دونوں گروہ مردود ہیں اس واسطے کہ جبریہ

کے قول سے ابطال شریعت کا لازم آتا ہے کیونکہ تکلیف شریعت کی بے اختیار پر نہیں ہوتی ہے اختیار والے پر ہوتی ہے، جانوروں پر اسی واسطے تکلیف نہیں ہے کہ بے اختیار ہیں اور قدریہ کے قول سے خالقیت الٰہی میں شرکت لازم آتی ہے کہتے ہیں کہ جو افعال ہم سے صادر ہوتے ہیں سو وہ ہماری ایجاد سے ہوتے ہیں، نیک فعل ہو یا بد فعل ہو سب کے موجد ہم ہیں اسی واسطے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ بیمار ہوویں تو ان کی عیادت نہ کرو اگر مر جاویں تو ان کے جنازے پر نہ حاضر ہو اور نہ ان کی نماز پڑھو اور نہ ان سے سلام کرو لیکن جاننا چاہئے کہ ایک اور لوگ ہیں سو وہ بھی اس میں داخل ہیں اور ہمارے بیچ میں بہت ملے رہتے ہیں سو ان کا مذہب یہ ہے کہ جو افعال نیک ہیں ان کا موجد حق تعالیٰ ہے اور جو بد ہیں ان کے موجد ہم ہیں سو ان کا حکم اور قدریہ کا حکم برابر ہے یعنی نہ ابتداء سلام سے کیا چاہئے اور نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھا چاہئے اور نہ عیادت کیا چاہئے سو یہ دو لفظ ان کا عقیدہ رد کرنے کے واسطے فرمائے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے جبریوں کا عقیدہ رد ہوتا ہے کیونکہ جب مانند سنگ اور چوب کے بے اختیار ہوئے تو عبادت کیونکر ہو سکے اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے عقیدہ قدریوں کا رد ہوتا ہے کیونکہ جب افعالوں کے موجد ہم ہوئے تو مدد طلب کرنا کیا ضرور ہے، اور اہل سنت کہتے ہیں کہ عبادت ہم اپنے اختیار سے کر سکتے ہیں لیکن توفیق تجھ سے مانگتے ہیں اس واسطے کے بے توفیق تیری کے عبادت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ مدد طلب کرنی غیر سے اس طور پر کہ اعتماد بالکل اس پر کرنا اور مظہر عون الٰہی کا اس کو نہ سمجھنا بلکہ اپنے نافع اور مضر اسی کو جان لینا اور اس کو قادر مختار بالاستقلال سمجھنا اس طرح کی استعانت حرام ہے اور فاعل اس کا مشرک ہے اور غیر کو مظہر عون اور قدرت الٰہی کا سمجھے اور بطریق مشروع اس سے مدد طلب کرے تو جائز ہے۔ غرض اس کی ایک مثال ہے کہ اس کے سمجھنے سے استعانت کے معنی خوب سمجھ میں آجاویں گے۔ مثلاً نابدان میں سے جو پانی آتا ہے تو چھت پر ہوتا ہے جب تک آتا ہے، اور جس روز چھت پر پانی نہ ہوگا اسی روز نابدان میں سے آنا بند ہو جاویگا، مگر احمق لوگ جانتے ہیں کہ نابدان ہی میں سے پانی نکل کر ہم پر گرتا ہے اور ہوشیار لوگ بوجھتے ہیں کہ نابدان تو اس کے آنے کا راستہ ہے لیکن آتا چھت پر سے۔ پس اس طور کا فرق مشرک اور موحد میں ہے جو کسی کے ہاتھ سے مسلمان کو فائدہ ہوتا ہے تو وہ اس شخص کو یوں جانتا ہے کہ یہ گویا نابدان ہی خزانہ الٰہی کا، سو خاوند (مالک) میرا اپنے خزانے سے اس نابدان کی راہ پانی میرے

اوپر گراتا ہے اور مشرک جانتا ہے کہ یہ نابدان اپنے پاس سے مجھ کو دیتا ہے یہ سمجھ کر طرح طرح کی اس نابدان کی خوشامد کرتا ہے اور کھڑا ہو کر اس نابدان سے مانگتا ہے کہ اے نابدان مجھ کو پانی دے۔ سو مسلمانوں کو چاہئے کہ تمام مخلوقات کو نابدان الٰہی یقین کرے اور جانے کہ میرے خاوند کے دینے کی یہ راہیں ہیں جس نابدان کی راہ چاہے تجھ پر اپنا فیض گراوے اس طرح سے استعانت کرنی جائز۔ لیکن جو استعانت درست نہیں ہے وہ یہ ہے کہ ہر جا اور ہر وقت کسی بندے کو پکارنا اور یقین کرنا کہ وہ سنتا ہے اور بیٹھتے اٹھتے اس کا نام لینا اور کھانے کے وقت اس کے نام کو یاد کرنا بدلے بسم اللہ کے یا حضرت امام جعفر صادق کہنا اور مصیبت کے وقت اس کی دوہائی دینی اور اس کا نام لے کر تلوار مارنی اور اس کے نام کی چھڑی بنانی اور لڑکوں کے سر پر چوٹی اس کے نام کی رکھنی اور پاؤں میں بیڑی ڈالنی اور اس کو فقیر بنا کر بھیک منگوانا اور اس کے گلے میں طوق ڈالنا اور زنجیر پہنانا اور بھوانی کی سواری سمجھ کر گدھے کو اپنے دامن میں دانہ کھلانا اور اولاد کے جینے کے واسطے تعزیہ بنانا اور سدّا رکھنا اور چبوترہ تیار کرنا یہ سب استعانت حرام ہے۔ اور بعضے لوگ جو راہ میں چاول پکا کر رکھتے ہیں اور چار چشمے کتے کو ڈھونڈ کر کھلاتے ہیں اور بعضے شہید کا طاق جان کر شیرینی چڑھاتے ہیں یہ سب نذر شیطان کی ہے۔ غرض اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو اس واسطے صاف ہو کر کہے کہ ادھر سے خطاب ہووے کہ سچا ہے بندہ میرا۔ نقل ہے شیخ سفیان ثوریؒ کی کہ میں ایک روز نماز مغرب کی امامت کرتا تھا جب میں نے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کہا ڈرا کہ قیامت کے دن ایسا نہ ہو کہ یوں کہیں مجھ کو اے جھوٹے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کہتا جاتا تھا اور بادشاہوں سے روزی طلب کرتا جاتا تھا سو یہ مجھ کو یاد آیا تو ڈرا کہ میں کیا جواب دوں گا۔ پس مسلمان کو چاہئے کہ شرم کرے کہ پانچ وقت کھڑا ہو کر کہتا ہے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن اور پھر روزی طلب کرتا ہے اوروں سے۔ اور معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام بیماری سخت میں گرفتار ہوئے اور مدت بہت ہو گئی تو شیطان نے دیکھا کہ یہ شخص میرے فریب میں نہیں آتا ہے تو ایک روز اپنی قوم کو جمع کیا اور کہا کہ ایوبؑ نے مجھ کو تھکا دیا اور میرے کسی فریب میں نہیں آتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تو آدمؑ کے پاس جس رستے سے گیا تھا اسی رستے سے اس کے پاس بھی جا، پھر ابلیس صورت حکیم کی بنا کر ایک صندوقچہ دوا کا لے کر جس میں راہ ایوبؑ کی بی بی گزرتی تھی اس پر ہو بیٹھا۔ اس بی بی نے حکیم جان کر پوچھا کہ اے شیخ میرا خاوند بیمار ہے اس کی بھی دوا تیرے پاس ہے اس نے کہا کہ ایک دوا

بہت مجرب ہے لیکن اس میں شرط ہے کہ وہ بیمار دوا کھا کر یوں کہے کہ مجھ کو تو نے شفا دی تو وہ دوا جلد اثر کرے گی اور اس کو شفا ہو جاوے گی۔ اس بی بی نے جا کر یہ قصہ حضرت ایوبؑ سے کہا، انہوں نے سن کر فرمایا کہ وہ ابلیس ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح ایوبؑ غیر سے مدد چاہے اور جناب حق تعالیٰ سے نکالا جاوے، تو اس کے پاس کیوں کھڑی ہوئی تھی۔ قسم خدا کی اچھا ہو کر (۱۰۰) سو لکڑیاں تجھ کو ماروں گا اور بی بی کو اپنے پاس نہ آنے دیا اور بولنا موقوف کیا۔ سو مسلمان کو چاہئے کہ سوائے اللہ جل شانہٗ کے کسی سے مدد نہ چاہے اور زمین و آسمان میں جتنے لوگ ہیں سب کو اسی کا محتاج جانے اور جاننا چاہئے کہ ہر رکعت میں جو بار بار اس سورت کا پڑھنا مقرر ہوا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا تو ہاتھ پاؤں خوب جکڑے ہوئے تھے کہ حضرت ہرگز ہل نہ سکتے تھے۔ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ اے ابراہیمؑ اگر کہو تو میں تمہاری مدد کروں۔ حضرتؑ نے کہا تمہاری مدد میں نہیں چاہتا ہوں۔ سو اس عقیدے کو حق تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا اور مدد فرمائی۔ پھر اس امت کو حکم دیا کہ ہر رکعت میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا کرو کیونکہ جب حضرت ابراہیم کے ہاتھ بندھے تھے تو وہ یہی کہتے تھے کہ تجھی سے مدد چاہتا ہوں میں۔ سو نماز میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوتے ہیں سو تم بھی یہی کہا کرو کہ تجھی کو عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں ہم جیسے ہم نے اس کی مدد کی تھی ہاتھ اور پاؤں بندھے پر ویسی ہی ہم تمہاری مدد بھی کریں گے۔ گویا یوں کہے کہ خداوندا ہاتھ میرے اس وقت کام نہیں کر سکتے، پاؤں میرے چل نہیں سکتے، آنکھ میری دیکھ نہیں سکتی سو ایسے وقت میں تجھی سے مدد مانگتا ہوں۔ غرض حضرت ابراہیم کے قصے کو تفسیروں میں دیکھ لیویں اور جان لیویں کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے یہ معنی ہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ جو لوگ سوائے اللہ جل شانہٗ کے اوروں سے مدد مانگتے ہیں وہ سب قیامت کو ان کے دشمن ہو جاویں گے۔ چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ مَا کَانَ یَنْبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِکَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَلٰکِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی نَسُوا الذِّکْرَ ج وَکَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ۝ فَقَدْ کَذَّبُوْکُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۝ وَمَنْ یَّظْلِمْ مِّنْکُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا کَبِیْرًا ۝ یعنی اس روز جمع کرے گا اللہ ان کو کہ جن کو پوجتے تھے سوا اللہ کے پھر

فرماویگا ان کے معبودوں کو کیا تم نے گمراہ کیا میرے بندوں کو یا وہ خود بھول گئے راہ کو بولیں گے پاک ہے تو نہیں لائق ہے ہم کو کہ پکڑیں پیچھے تیرے کوئی حمایتی اور لیکن مراد پوری کی تو نے ان کی اور ان کے باپ دادا کی یہاں تک کہ بھول گئے نصیحت کو اور ہو گئے یہ لوگ ہلاک۔ پھر فرماوے گا کہ معبود تمہارے جھٹلاتے ہیں جو تم کہتے تھے پس نہیں طاقت رکھ سکتے تم عذاب کے پھیرنے کی اور مدد کرنے کی اور جس نے شرک کیا تم میں سے چکھاویں گے ہم اس کو عذاب بڑا۔ یعنی جب اللہ پوچھے گا بعضے رسولوں سے اور اولیاؤں سے کہ تم نے میرے بندوں کو کہا تھا کہ تم ہم سے مانگا کرو یا وہ اپنی حماقت سے آپ مانگتے تھے۔ وہ عرض کریں گے کہ تو نادانی اور جہالت سے پاک ہے ہم سے پوچھنے کی تجھ کو کیا حاجت ہے اور ہمارا کیا مقدور ہے کہ ہم سکھا دیں کسی کو کہ تم اللہ کو چھوڑ ہم سے مانگا کرو کیونکہ ہم خود تیرے محتاج ہیں تیری حمایت کے لیکن ان کے مانگنے کی ہم سے یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ مرادیں مانگتے تھے ہم سے اور تو اپنی رحمت سے ان کی مرادیں پوری کرتا تھا، یہ اپنی حماقت سے جانتے تھے کہ انہوں نے ہماری مرادیں پوری کی ہیں۔ یہ جان کر کہ ہماری طرف دوڑتے اور نذر و نیازی ہماری کرتے تھے۔ یہاں تک ہوا کہ تیری نصیحت کو بھول گئے اور ہلاکت میں اپنی جان کو ڈال دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ تم جو ان کو قاضی الحاجات کہتے تھے سو وہ جھٹلاتے ہیں تم کو اور کہتے ہیں کہ ہم خود محتاج ہیں حمایت کے سو ان کے اب امیدوار نہ ہو اور خود بھی طاقت نہیں رکھتے ہو کہ عذاب کو اپنے سے دفع کر دیا اپنی مدد آپ کرو اور ہمارے دربار میں یہ قاعدہ ہے کہ جس نے تم میں سے شرک کیا چکھاویں گے ہم اس کو بڑا عذاب۔ اور اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت مقبولوں کے حق میں ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ وغیرہ ہیں۔ غرض آدمی کو چاہئے کہ حضرت حق کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے خواہ وہ شخص مقبولوں میں ہو یا مردودوں میں ہو کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات پاک دونوں سے بَری ہے۔ مگر دعا ان سے کروانی اس واسطے کہ ان کی دعا اکثر مقبول ہوتی ہے لیکن یوں نہ جانے کہ کوئی دعا ان کی رد نہیں ہوتی ہے بلکہ یوں سمجھے کہ اگر اللہ چاہے تو قبول کرے چاہے رد کرے۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ کسی سے دب کر کام نہیں کرتا ہے اور اپنے ارادے کو سب کے ارادے پر غالب رکھتا ہے اور جاننا چاہئے کہ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل اور ابولہب اپنے چچا کے حق میں بہتیری دعا کی قبول نہ ہوئی۔ اور بزرگ لوگوں کو ہر وقت عالم الغیب نہ جاننا چاہئے لیکن اتنا عقیدہ رکھے کہ حق تعالیٰ جب چاہتا ہے

ان کو کوئی بات معلوم کروا دیتا ہے اور یہی معنی ہیں خرق عادت کے۔ اور اگر ہر وقت ان سے کرامت ہوا کرتی تو وہ عادت ہو جاتی خرق عادت نام نہ رہتا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کنعان کے پاس کنویں میں رہے اور حضرت یعقوبؑ کو معلوم نہ ہوا اور جب اللہ جل شانہٗ نے چاہا تو مصر سے ہوا کے ساتھ خبر پہنچائی اور پانچ چیزوں کی خبر کسی کو نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی کہے کہ جناب محمدؐ الرسول اللہ ان پانچوں کو جانتے تھے تو جان لیجئے کہ یہ افترا کرتا ہے ان پر۔ وہ پانچوں یہ ہیں کہ ایک قیامت کا آنا کہ کب آوے گی، دوسرے مینہ کا برسنا اور تیسرے شکم کا حال دریافت کرنا کہ لڑکی ہے یا لڑکا ہے، گورا ہے یا کالا ہے، پستہ قد ہے یا بلند قد ہے، سعید یا شقی ہے اور چوتھے آگے کا حال معلوم کرنا کہ کل مجھ سے کیا فعل ہو ویگا اور پانچویں یہ معلوم کرنا کہ میں کس زمین پر مروں گا اور جاننا چاہیئے کہ فقہا نے لکھا ہے کہ بحق فلاں کر کے دعا نہ کرنی چاہیئے کیونکہ حق تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں ہے مگر حق سے اگر یہ مراد رکھے کہ وہ حق کہ تو نے وعدہ کیا ہے اپنی رحمت سے اس بندے کو اس حق کے دینے کا تو مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا کا حق بندے پر اس کی عبادت کرنا ہے اور بندے کا حق اوپر خدا کے بخش دینا ہے سو اس جگہ حق وعدہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے وعدہ کیا ہے بخشش کا اور **بعضے لوگ** کہتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے بے ادب ہیں کہ نبی کو اور ولی کو اور بت کو شرک میں برابر ذکر کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے ہیں کہ متقدمین نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ جن کے ہم پیرو ہیں اور ان کے کہنے پر چلتے ہیں کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور لات اور عزیٰ کو شرک کے باب میں ایک جگہ بیان کیا جیسے کہ فقہ میں ذبیحہ کے باب میں لکھا ہے کہ جو کوئی بسم اللہ واللات والعزیٰ کہہ کر ذبح کرے یا بسم اللہ محمد الرسول اللہ کہہ کر کرے تو دونوں شکلوں میں حرام ہو جاتا ہے۔ سو اب غور کر کے دیکھئے کہ یہ بے ادبی کہاں تک پہنچتی ہے معاذ اللہ منہا اور **بعضے لوگ** اپنے کھیتوں میں اور باغوں میں اللہ کے بندوں کے نام کا غلہ مقرر کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ انہوں نے مدد کر کے برکت دی ہے اور یہ نہیں جانتے کہ پیدا کرنے میں اختیار کسی کا نہیں ہے سوا اللہ کے، اس واسطے اللہ نے فرمایا ہے سورۃ انعام میں کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ یعنی جس روز کاٹو تم کھیتوں کو اپنے اس روز حق نکالو تم اللہ کا اور بیجا خرچ نہ کرو یعنی اور کسی کی نیاز اور نذر نہ نکالو اور اللہ دوست نہیں رکھتا ہے بیجا خرچ کرنے والوں کو یعنی پیدا کرے اللہ اور نیاز کرو تم اوروں کی

ایسے لوگوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا ہے بلکہ دشمن رکھتا ہے۔ اور **بعضے لوگ** بندوں کے نام کا جانور مقرر کرتے ہیں کوئی میراں کے نام کا کرتا ہے اور کوئی سید احمد کبیر کے نام کا کرتا ہے اور کوئی ہٹیلے کا مرغ مقرر کرتا ہے اور کوئی بزرگوں کے نام پر سانڈ بنا کر چھوڑتا ہے اور اللہ صاحب نے اس آیت میں اس کا اشارہ بھی فرمایا ہے وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ یعنی پیدا کیا ہے اللہ نے جانوروں میں سے بوجھ اٹھانے والوں کو اور ذبح کے واسطے نیچی گردن کرنے والوں کو کھاؤ تم جو دیا ہے تم کو اللہ نے اور نہ چلو تم قدموں پر شیطان کے مقرر وہ تمہارا دشمن ہے ظاہر یعنی بعضے جانوروں کو اللہ نے بوجھ اٹھانے کے واسطے پیدا کیا ہے سو یہ نہ کیا کرو کہ کسی کے نام کا چھوڑ رکھو اور بوجھ لادنے کو منع کرو اور بعضوں کو کھانے کے واسطے مقرر کیا ہے اور کسی کی نیاز نکالنے کے واسطے مقرر نہیں کیا یہ نیاز کا نکالنا بندوں کے واسطے شیطان کے قدموں پر چلنا ہے اور وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے کہ ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ تم جنت سے محروم رہو اور دوزخ میں ڈالے جاؤ واللہ اعلم۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

یعنی دکھا ہم کو راہ سیدھی اور راہ سیدھی سے مراد اس جگہ قرآن شریف اور حدیث ہے کہ خالی ہے بدعت سے اور عصیان سے لیکن ہر کوئی اپنی راہ کو سیدھی جانتا ہے، اس واسطے آگے فرمایا ہے کہ مطلق راہ نہ طلب کرو بلکہ یوں کہو۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

یعنی راہ ان لوگوں کی کہ نعمت کی تو نے اوپر ان کے سو وہ راہ چار فرقوں کی ہے۔ (۱) انبیاء، (۲) صدیقین، (۳) شہداء اور (۴) صالحین۔ سو نماز میں جس وقت اس جگہ پہنچے تو ان چار فرقوں کی راہ کو طلب کرے لیکن جاننا چاہیئے کہ نبی کس کو کہتے ہیں اور صدیق کسے کہتے ہیں اور شہید کی کیا صفت ہے اور صالح کس کا نام ہے سو جان لے کہ **نبی** وہ انسان ہے کہ قوت نظریہ اور عملیہ میں مرتبہ کمال رکھتا ہو اور حق تعالیٰ نے اس کو واسطے ہدایت خلائق کے مبعوث کیا ہو اور ہر آدمی کو دو قوتیں دی

ہیں ایک قوت نظریہ دوسری قوت عملیہ۔ قوت نظریہ اس کو کہتے ہیں کہ ہر چیز کو اس قوت سے پہچان لے اور قوت عملیہ اس کو کہتے ہیں کہ جو نیک اور بد آدمی سے ہوتا ہے اسی قوت سے صادر ہوتا ہے۔ سو حق تعالیٰ نبی کو بلا واسطہ تربیت فرماتا ہے اس واسطے کہ تاثیر انوار کی اس کی قوت نظریہ میں ایسی بخشتا ہے کہ غلطی اور شبہ اس کی نظر میں ہرگز نہیں پڑتا اور اس کی قوت عملیہ کو ایسا ملکہ دیتا ہے کہ بہ سبب اس کے ہر نیکی اس سے رغبت کے ساتھ ہونے لگتی ہے اور ہر بدی سے محفوظ رہتا ہے یہاں تک کہ معصوم ہو جاتا ہے اور بہ سبب قوت عملیہ کے عقل اس کی کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد خلقت کی تعلیم کے واسطے اٹھایا جاتا ہے اور اس کی طرف وحی آتی ہے اور عوام کے واسطے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور خواص کے واسطے اس کو اخلاق کریمہ بخشتے ہیں اور علوم صادقہ نصیب کرتے ہیں اور بیان شافی اور حجت واضح اس کو عطا فرماتے ہیں اور صحبت میں اس کی انوار برکات پیدا کرتے ہیں اور **صدیق** وہ ہے کہ قوت نظریہ اس کی مثل قوت نظریہ انبیاء کے ہوتی ہے، خواہ نبی ہو خواہ نہ ہو اور ابتدائے عمر سے جھوٹ نہیں بولتا ہے اور عمل اس سے ایسے خالص ہوتے ہیں کہ نفس کا ہرگز لگاؤ نہیں ہوتا ہے اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اپنے قصد میں تردد نہ کرے یعنی اللہ پر توکل کر کے اس کام کو کرنے لگے اور اسباب پر چنداں خیال نہ کرے اور اگر نماز میں اس کو بڑی سے بڑی مصیبت آ جاوے تو ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ سوائے خیال حق تعالیٰ کے دوسری طرف خیال نہ کرے اور ظاہر و باطن میں یکساں ہووے اور خواب کی تعبیر خوب جانے۔ اور **شہید** وہ ہے کہ جو حکم نبی نے اس کو پہنچا دیا ہے اس حکم کو ایسے یقین کے ساتھ قبول کرے کہ گویا آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں اپنی جان دینے کو سب چیز سے آسان جانے گو وہ شہید ہو یا نہ ہو اللہ کے نزدیک وہ شہید ہے اور قوت علمیہ اس کی اپنے کمال میں نزدیک قوت انبیاء کے ہوتی ہے اور **صالح** وہ ہے کہ ظاہرا اپنے گناہوں سے پاک کرے اور باطن اپنے کو برے عقیدے سے باز رکھے اور بد خلقی سے دور رہے اور یاد حق میں ایسا محو ہو جاوے کہ گنجائش دوسری چیز کی اس کے دل میں نہ رہے۔ یہاں تک کہ ان سب کی جدا جدا تعریف ہو چکی۔ پھر جو باتیں کہ شامل ہیں ان چاروں کو وہ یہ ہیں کہ حق تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے ان کے رزق کی کفالت کرتا ہے بلکہ عزت سے دیتا ہے کہ امیروں کو اس کی عزت سے نہیں ملتا اور ظاہر میں ان کو سب لوگوں سے امتیاز دیتا ہے اور ان کے دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کے دلوں میں اپنی عزت اور عظمت ڈالتا ہے کہ

اس کے سبب سے کسی پادشاہ اور امیر کی عزت کو خیال میں نہیں لاتے اور کلمہ حق کہہ دیتے ہیں اور ان کی خدمت کے واسطے کمر نہیں باندھتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کی ہمت کو بلند کر دیتا ہے کہ ہرگز دولت اور دنیا کا خیال نہیں کرتے ہیں اور ان کے دلوں کو روشن کر دیتا ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کے اشارے کو پہچان لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ کی نقل ہے کہ کہتے ہیں کہ جب مجھ کو رکوع کرنے کو فرماتا ہے جب میں رکوع کرتا ہوں اور جب کہتا ہے کہ سر اٹھا اس وقت میں اٹھاتا ہوں اور ان کے سینے کو کھول دیتا ہے کہ کوئی مصیبت دنیا کی ان کو معلوم نہیں ہوتی ہے اور اس مصیبت میں تنگ نہیں ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جیسا تم ترقی میں خوش ہوتے ہو ویسا ہم تنگی میں خوش ہوتے ہیں اور ان کی صورتوں پر ہیبت ڈالتا ہے کہ بڑے بڑے پادشاہ جبار ان سے کانپتے ہیں اور بڑے سرکش ان سے دب کر چلتے ہیں۔ لیکن جاننا چاہئے کہ بعضے فرقے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ان بزرگوں کے طریقے پر ہیں اور اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں اور لوگوں کو فریب دیتے ہیں کہ ہم ان کے گروہ کہلاتے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کے طریقے سے محض خلاف ہیں جیسے کہ یہود و نصاریٰ کہ اپنی نسبت انبیاء کی طرف کرتے ہیں اور ان کے طریقے پر عمل نہیں کرتے اور جیسے شیعہ کہ اپنی نسبت اماموں کی طرف کرتے ہیں اور متابعت ان کے قول و فعل کی نہیں کرتے بلکہ تعزیہ داری اور نوحہ اور ماتم جو ممنوعات شرعیہ ہیں اور کسی امام سے یہ امور ثابت نہیں، عمل میں لاتے ہیں اور اس کو عین محبت جانتے ہیں اور اسی طرح فرقہ جلالیہ اور مداریہ وغیرہ کہ اپنی نسبت بزرگوں کی طرف کرتے ہیں اور ان کے خلاف راہ چلتے ہیں جیسے کوئی سر پر چوٹی رکھتا ہے، کوئی چار ابرو کی صفائی کرتا ہے اور کوئی مزامیر کو کہ جو بالاتفاق حرام ہے اس کو حلال جانتے ہیں سو ان کے دعوے کے باطل کرنے کے واسطے ایک عبارت اور فرمائی اس واسطے کہ وہ راہیں ان بزرگوں کی طرف نسبت کرنے سے ظاہر میں مستقیم معلوم ہوتی ہے۔ اور حقیقت میں ان لوگوں نے اس راہ کو بہت بگاڑ دیا ہے سو اس کے واسطے یوں کہو کہ

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

یعنی نہ راہ ان لوگوں کی کہ غضب کیا گیا ان پر اور اور نہ راہ گمراہوں کی۔ گویا یوں تعلیم فرمایا کہ مطلق راہ مستقیم پر بھی جس طرح پر ہو نہ مانگا چاہئے کیونکہ مغضوب اور گمراہ لوگوں نے اس راہ کو خراب کر

دیا ہے سوان کے کہنے پر نہ چلو بلکہ ہم سے یوں کہو کہ خداوندا وہ راہ ہم کو نصیب کر کہ جو حقیقت میں راہ بزرگوں کی ہے اور وہ راہ نہ دکھا کہ جس میں ہم پر تیرا غضب ہووے اور گمراہ ہو جاویں اور جاننا چاہئے کہ راہ مستقیم جب حاصل ہوتی ہے کہ بدعت کو اور زیادتی اور کمی کو ترک کر دے اور سنت رسول اللہ صلعم کو اختیار کرے اور بدعتیں بہت سی ہیں اس مختصر میں بیان نہیں ہو سکتی ہیں مگر تھوڑا سا بطور نمونہ کے بیان سننا چاہئے۔ مثلاً غمی کے بیچ میں سینکڑوں روپے بے جا صرف کرتے ہیں خود بھی مفلس اور قرضدار ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مردے کے پیچھے سال بھر تک طرح طرح کے رسوم اور بدعات کرتے ہیں، کہیں سوم کے روز تکلفات رسمیہ کرنا اور اسراف مال کا بیجا کرنا۔ مثلاً مجلس سوم کی منعقد کرنی واسطے قرآن خوانی اور کلمہ خوانی کے اور اس میں حقہ پینا اور بیہودہ باتیں کرنی اور قرآن شریف کی تعظیم نہ کرنی اور سوا اس کے اور فضول کام کرنے اور اس روز کھانا پکا کر برادری والوں کو اور اغنیاء کو کھلانا اور اس میں کئی طرح سے قباحت ہے۔ اکثر یہ بات ہے کہ ورثاء یتیم ہوتے ہیں اور مال ان کا حق ہوتا ہے ان کے مال کو بے وجہ شرعی کھانا حرام ہے اور کبھی اس مال میں حق شرکاء کا ہوتا ہے تو اس مال کو بدون تقسیم کے صرف کرنا درست نہیں ہے اور اکثر یہ بات بھی ہے کہ میت قرضدار ہوتا ہے تو پہلے اس کے ادائے قرضہ کرنا چاہئے بدون ادائے قرض کے خوامخواہ تکلفات میں صرف کرنا نہ چاہئے اور اسی طرح سے حکم دہم اور بستم اور چہلم اور شش ماہی اور سالانہ کا کہ ان دونوں میں واسطے نموداری کے اور بخوف طعن برادری کے یہ سب تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور اگر روپیہ نہیں ہوتا تو سودی روپیہ قرض نکلواتے ہیں اور اگر سودی بھی نہیں ملتے تو مکانات گرو کرتے ہیں اور رسوم بیجا میں خرچ کرتے ہیں اور قبروں کو پختہ کرواتے ہیں اور ان پر روشنی کرتے ہیں اور ان پر چادر اور غلاف ڈالتے ہیں اور چالیس دن تک زبردستی روتے ہیں اور چہلم تک لحد پر چراغ روشن کرتے ہیں اور چالیسویں کو روح نکلواتے ہیں اور چارپائی پر چادر بچھاتے ہیں اور اس کے تلے خاک بچھاتے ہیں جو رات کو کوئی شیطان یا کوئی جانور اس پر پھر جاتا ہے اس کو جانتے ہیں کہ فلانے کی روح اس قالب میں آئی غرض اواگون[1] کے قائل ہوتے ہیں اور اس مردے پر نوحہ کرتے ہیں اور ٹاٹ بچھاتے ہیں اور اس پر سوتے ہیں اور اسی طرح اپنی شادیوں میں بے موجب خرچ کرتے ہیں، کہیں ناچ کرواتے ہیں کہیں ڈومنیاں بلوا کر گواتے ہیں کہیں بی بی کا کھانا کرتے ہیں اور اس کھانے کو مردوں پر، لونڈیوں پر، اور دو نکاحی عورت پر حرام جانتے ہیں۔

[1] اواگون بمعنی تناسخ یعنی روح ایک قالب سے نکل کر دوسرے قالب میں آوے ۱۲

اور بی بی کی صحنک کی اصل یوں معروف ہے کہ جہانگیر پادشاہ کی بی بی نور جہاں جو دوسرا نکاح اس کا بادشاہ کے ساتھ ہوا تھا اور بادشاہ کے نزدیک اس کی بڑی خاطر تھی اور، اَور بیبیاں اسی سبب سے اس سے حسد رکھتی تھیں اس کی ذلت کے واسطے یہ تجویز کی کہ بی بی کے نام کا کھانا پکایا اور اس کا نام صحنک رکھا اور ایک محفل قرار دی اور اس میں سب بیبیاں جمع ہوئیں اور نور جہاں بھی ان میں تھی جب کھانے کے واسطے بیٹھیں تب صحنک کرنے والی نے کہا کہ اے بیبیو یہ صحنک نیاز حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے جو دوخصمی ہو اس کو کھانا درست نہیں ہے۔ پس نور جہاں اٹھ گئی اور سب بیبیوں میں ذلیل ہوئی اور وہ بیبیاں اس کی ذلت سے خوش ہوئیں۔ اس روز سے صحنک کا رواج جاری ہوا اور شریعت میں کچھ اس کی اصل نہیں ہے اور نہ کچھ ثواب بلکہ حرکت بیجا موجب گناہ کا ہے۔ اور کہیں اللہ میاں کا رتجگا کرتی ہیں اور ایک ٹھلیا کو پھول پہنا کر اور سرخ کپڑا ڈال کر بیچ میں بت کی طرح رکھتے ہیں اور پچھلی رات کو اس ٹھلیا کو جانتے ہیں کہ اللہ صاحب اس میں آئے ہیں اور صبح کو اس کا پانی تبرک کر کر پلاتے ہیں اور دولہا کو حرام پوشاک پہناتے ہیں اور جیسے کہ ہندو مور سر پر رکھتے ہیں یہ لوگ سہرا سونڈ کی طرح لٹکاتے ہیں اور کنگنا اس کے ہاتھ میں باندھتے ہیں اور اس کو حاجت ہو یا نہ ہو مقرر اس رات نہلاتے ہیں اور دلہن کو حلوہ کھلاتے ہیں اور ہنود کی طرح گونا مقرر کرتے ہیں اور غرض ایسے ایسے خرافات شادی میں کرتے ہیں اور بعض لوگ سلام علیک کے بدلے بندگی کرتے ہیں اور بعضے لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین پر یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں اور بعضے لوگ اپنے پیروں کو معبود کر کے بولتے ہیں اور ان کو انبیاء علیہ السلام پر فضیلت دیتے ہیں اور بعضے لوگ اماموں پر ان کو فضیلت دیتے ہیں اور بعضے لوگ جھوٹی قبریں بنا کر پوجتے ہیں اور ان جھوٹی قبروں کے روبرو کھڑے ہو کر روزی اور زرق مانگتے ہیں اور بعضے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے دوستدار کو شرک و کفر اور کوئی گناہ ضرر نہ کرے گا اور جنت میں مقرر جاوے گا اور بعض لوگ بزرگوں کی شفاعت کے بھروسے پر اللہ جل شانہٗ کے گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہم کو بخشوالیویں گے گو کہ اللہ راضی ہووے یا نہ ہووے وہ راضی کر لینگے اور یہ نہیں جانتے ہیں کہ اللہ کے چور کو کوئی نہیں چھپا سکتا ہے اگر وہ بزرگ لوگ کسی کی طرف سے اللہ کی نظر پھری ہوئی پاویں گے تو اس وقت وہ بھی دشمن ہو جاوینگے کیونکہ دنیا میں ان کی یہی حالت رہی کہ اللہ کے دوست کو دوست رکھتے تھے اور اس کے دشمن کو دشمن رکھتے تھے وہی حال بلکہ اس سے بھی زیادہ آخرت میں ظہور کریگا اور تفسیروں میں لکھا ہے مغضوب اور ضال سے مراد فرقہ

یہود اور نصاریٰ کا ہے۔ یہودی بزرگوں کو برا کہتے ہیں اور نصاریٰ نبی کو خدا کا لگا دیتے ہیں سو معنی غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے یہ ہوئے کہ نہ تو ہم ایسے ہو جائیں کہ بزرگوں کا انکار کریں اور نہ ایسے ہو جاویں کہ ان کو تیرے برابر سمجھیں اور ان سے مرادیں مانگیں اور ان کو ہر وقت عالم الغیب جانیں بلکہ وہ راہ دکھا کہ نبی کو نبی جانیں اور ولی کو ولی جانیں۔ اور جاننا چاہئے کہ پل صراط جو بال سے زیادہ باریک ہے وہ راہ مستقیم ہے شریعت کی کہ پل کی شکل بن کر دھری جاوئیگی اور لوگ اس پر سے گزریں گے سو جن کو یہاں عادت تھی اس راہ پر چلنے کی وہ لوگ وہاں بھی دوڑتے ہوئے چلے جاویں گے اور جن کا یہاں قدم پھسلتا ہے کہ کوئی حکم شرع کا کرتے تھے اور کوئی موافق خوشی نفس کے کرتے تھے سو وہاں بھی ان کا قدم پھسلے گا اور ان کو ایک لپٹ دوزخ کی نکل کر لے جاوے گی۔ اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ راہ مستقیم بال سے بھی زیادہ باریک ہے کیونکہ اسی راہ کی صورت وہاں ظاہر ہووے گی سو اس راہ پر چلنا بڑے مردوں کا کام ہے اور بعضے لوگ رانڈوں کا نکاح نہیں کرتے ہیں اور ان کو تمام عمر بند کر رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شرافت سے بہت بعید ہے کہ عورت دوسرا نکاح کرے اور یہ نہیں جانتے کہ بڑے اشراف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ ان کی دو صاحبزادیوں کا دو جگہ نکاح ہوا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی کا چار جگہ نکاح ہوا پھر ان سے زیادہ شرافت کا دعویٰ کرنا حماقت ہے اور بعضے لوگ بزرگوں کی فاتحہ کے واسطے بڑے بڑے تکلف کرتے ہیں خوانخواہ کورے برتن میں پکاتے ہیں اور کوئی آگ مانگے تو نہیں دیتے ہیں اور پانی اچھوتا مقرر کرتے ہیں اور جگہ کو لیپتے ہیں اور اس جگہ کو ہنود کی طرح چوکا مقرر کرتے ہیں کہ کوئی پاؤں نہ رکھے اور بیٹھ نہ جاوے اور اگر کی بتی جلاتے ہیں اور شمع روشن کرتے ہیں اور سب ان چیزوں کا نام اچھوتا رکھتے ہیں اور اس کھانے پر پان پھول رکھوا کر فاتحہ پڑھواتے ہیں اور فاتحے کے وقت ہاتھ باندھے اس کھانے کے روبرو کھڑے رہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس وقت بزرگ یہاں آئے ہیں یہ جان کر روزی اور رزق ان سے مانگتے ہیں اور فاتحے کے بعد اس چوکی پر بعضے سجدہ کرتے ہیں اور بعضے سلام کرتے ہیں اور اس کا نام نیاز رکھتے ہیں۔ یہ سب باتیں تراشی ہوئی ہیں اب سب باتوں کی شرع شریف میں کچھ اصل نہیں ہے البتہ ایصال ثواب کے لئے کھانا حلال پیسے سے پکوا کر بھوکوں محتاجوں کو کھلانا اور اس کا ثواب بزرگوں یا عزیزوں کو بخشنا باعث نجات اور ثواب کا ہے اور جائز ہے اور بعضے لوگ شہادت کی رات حلوا پکا کر تعزیے کے روبرو تمام شب دھر آتے ہیں اور صبح کو تبرک جان کر آپس میں بانٹتے ہیں اور شربت کے گھڑے تعزیے پر

چڑھاتے ہیں اور اس کو نیاز حسینیؓ مشہور کرتے ہیں اور یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں کہ نیاز سوائے اللہ کے دوسرے کو نہیں درست ہے۔ اور بعضے چاندی کا پنجہ اور آنکھ اور روٹی بنا کر چڑھاتے ہیں اور بعضے عرضی لکھ کر لگاتے ہیں اور بعض لوگ محرم کے دنوں میں پھیکا کھاتے ہیں اور زمین پر سوتے ہیں اور پان نہیں کھاتے اور عورتیں گہنا اتار ڈالتی ہیں اور منت مان کر ساری رات چہل منبری کرتی ہیں اور نامحرموں میں پھرتی ہیں اور ان کے والی منع نہیں کرتے یہ سب امور ناجائز اور باعث گناہ ہیں اور بعضے لوگ جمعرات کے فاتحے کے واسطے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ جمعرات کو سب ارواحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں پھر اگر ان لوگوں کے واسطے ان لوگوں نے کچھ پکایا ہوتا ہے تو خوش ہوتی ہیں اور نہیں تو ناامید ہو کر چلی جاتی ہیں۔ تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور علمائے حدیث کے نزدیک اس حدیث کی صحت نہیں ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ مردے کی طرف سے صدقہ دیا چاہئے سو وہ یہ ہے کہ کوئی غلام خرید کر آزاد کرنا چاہئے جیسے کہ حضرت عائشہؓ نے کیا ہے اپنے بھائی کی طرف سے۔ یا کوئی کنواں کھدوا دیا چاہئے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو کسی بھوکے کو کھانا کھلوا دیوے یا کسی ننگے کو کپڑا پہنا دیوے یا کسی کے قرض کو ادا کر دیوے یا کسی حاجت مند کو نقد دیوے یا قرآن شریف یا درود پڑھ کر یا پڑھوا کر اس کا ثواب بخشے یا قرآن شریف یا کتب دینیہ کے پڑھنے والوں کو دیوے اس کا ثواب جسے چاہے بخشے اور نیت کر لیوے کہ اس مردے کی طرف سے میں نے یہ کیا ہے اس کا ثواب اسی کو ہووے پس شریعت میں یہ ایصال ثواب کی ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ بعضے مفسرین کے نزدیک مراد راہ مستقیم سے یہ ہے کہ خالی ہووے افراط اور تفریط سے یعنی کمی اور زیادتی سے مثلاً واحدانیت میں افراط یہ ہے کہ ذات الٰہی میں تعطیل کا اعتقاد کرے یعنی ذات الٰہی کو خالی افعال سے اور صفات سے جانے جیسا کہ یہ مذہب حکمائے یونان کا ہے اور تفریط یہ ہے کہ اس کی صفات خاصہ کو ممکنات اور مخلوقات میں بھی اعتقاد کرے جیسا کہ مشرکین بعضے صفات الٰہیہ کو مثل خالقیت اور رزاقیت کے مخلوق میں بھی اعتقاد کر کے ان کی پرستش کرتے ہیں اور افراط عبادت میں یہ ہے کہ ہر شئے کو مظہر صفت الٰہی جان کر اس کو پوجنے لگے اور تفریط یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو مستغنی سمجھ کر اس کی عبادت کو بے فائدہ اعتقاد کرے اور افراط عادت میں یہ ہے کہ ہر کام میں نحوست اور سعادت کا پابند ہونا مثلاً اولاد میں اور لونڈی غلام میں اور مواشی اور حویلی میں اور کھیتی اور باغ میں نحوست اور سعادت کو لازم خیال کرنا جس کو سعد خیال کرے اس کو عمل میں لایا کرے اور جس کو نجس جانے اس سے احتراز کیا کرے اور ہر وقت اور ہر کام میں اس خیال کا گرفتار رہے اور کسی

مطلب کے لئے برہمن سے پوچھ کراس کے قول کو سچا جانے اور اس پر عمل کرے اور اپنے اوپر زندگی کو تنگ کرے اور مثل دیوانے اور وحشی کے ہر چیز سے ڈرے۔ اور تفریط یہ ہے کہ دوا اور غذا اور پرہیز اور دعا کو محض بے اثر اور بے فائدہ سمجھنا اور بے قید ہو کر جو چاہنا سو کرنا اور اسی طرح اماموں اور اولیاؤں کو فضائل و مراتب میں برابر انبیاء کے جاننا اور انبیاء کو درجہ الوہیت کا لگانا یعنی ان کو ہر وقت عالم الغیب سمجھنا اور یہ یقین کرنا کہ ہر جگہ ہر کسی کی فریاد کو سنتے ہیں اور اس کے حال سے واقف ہیں اور ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور ان کی ہر شفاعت اور غرض کو جناب الٰہی میں واجب القبول یقین کرنا گو خدا راضی ہو یا نہ ہو اور ان کی صورتوں کو اور قبروں کو معبود مقرر کرنا اور ان کے سامنے کھڑے ہو کر ان سے روزی رزق اولاد طلب کرنا، اور دوزخ اور بہشت اور حساب اور میزان کا ان کو مالک جاننا اور کہنا کہ جس کو چاہیں وہ دوزخ میں ڈالیں اور جس کو چاہیں جنت میں لے جائیں۔ یہ عقیدہ بالکل افراط میں داخل ہے اور تفریط اس میں یہ ہے کہ ان کی بزرگی کا انکار کرنا اور ان کی نبوت اور ولایت کو کچھ نہ سمجھنا اور ان کے معجزات اور کرامات کا انکار کرنا اور ان کو بعد فوت کے مانند سنگ و چوب کے بیکار محض جاننا اور ولایت دوازدہ امام پر ختم جان کر اوروں کی ولایت سے انکار کرنا، یہ سب تفریط میں داخل ہے۔ اور افراط ایمان میں یہ ہے کہ یقین کرے کہ مومن کو کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا ہے اور تفریط یہ ہے کہ گناہ گار کو کافر سمجھے اور بڑے گناہ والے کو حکم خلو فی النار کا کرے اور کلام میں افراط یہ ہے کہ ہر وقت بے معنی گفتگو کیا کرے اور تفریط یہ ہے کہ بالکل بولنا چھوڑ دے اور دین کی حرارت میں افراط یہ ہے کہ ہر کسی سے ادنیٰ امور دین میں جھگڑا کرے اور ترک مستحب کے واسطے غصہ کرے اور اس کو کافر کہے اور تفریط اس میں یہ ہے کہ بے نمازیوں سے بے تکلف صحبت رکھے اور کچھ دل میں کراہت نہ لاوے اور صاحب بدعت کی تواضع تعظیم کرے۔ اور صرف میں افراط یہ ہے کہ اسراف کرنے لگے اور تفریط یہ ہے کہ بالکل بخیل بن جاوے اور شجاعت میں افراط یہ ہے کہ تہور اختیار کرے اور موجب بے موجب ہر کسی سے لڑا کرے اور تفریط یہ ہے نامرد بن جاوے اور جبن اور بزدلی اختیار کرے غرض توسط ہر جگہ محمود ہے اور افراط و تفریط ہر جگہ مذموم ہے اور جاننا چاہئے کہ راہ مستقیم راہ انبیاء کی ہے سو یہ راہ جب حاصل ہوتی ہے کہ جب ان کی متابعت کرے مثلاً اگر پروردگار حکم کرے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر اسی وقت ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جاوے مانند حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور اس لڑکے کو جب حکم کرے کہ اسی وقت ذبح ہو وہ اسی وقت مستعد ہو جاوے مانند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اور اگر فرمادے کہ دریائے عظیم

میں گر پڑ اسی وقت گر پڑے مانند حضرت یونس علیہ السلام کے اور اسی راہ مستقیم کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کے سائے میں بیٹھے تھے کہ صحابہؓ نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ کفار کے ہاتھ سے ہم کو بہت تکلیف پہنچی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان والوں کو ہمیشہ کافروں کے ہاتھ سے تکلیف پہنچتی رہی ہے یہاں تک ہوا ہے کہ مسلمان کو زمین میں گڑھا کھود کر گاڑ دیا ہے اور سر پر آرہ رکھ کر چیر ڈالا ہے اور اس نے سوائے کلمہ توحید کے اور کچھ منہ سے نہیں نکالا ہے اور آہنی شانے سے ان کے بدن کے گوشت چیرے ہیں اور وہ راہ مستقیم سے ہرگز نہیں پھرے ہیں اور اسی راہ پر قائم رہے ہیں۔ اور انہوں نے تکلیف کے واسطے دین کو نہیں چھوڑا ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ صاحب بیضاوی نے لکھا ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد عاصی لوگ ہیں اور ضالین سے مراد جاہل لوگ ہیں سو پوری نعمت بندے پر جب ہوتی ہے کہ اپنے خاوند (مالک) کو بھی پہچانے اور عمل بھی نیک کرے۔ اکثر اوقات بہت سے لوگ خدا کو پہچانتے ہیں لیکن عمل نیک نہیں کرتے ہیں اور اکثر لوگ عمل نیک کرتے ہیں لیکن خدا کو پہچانتے نہیں سو ان دو فرقوں کی راہوں سے بچنے کا حکم ہوا کہ ان کی راہوں سے بہت دور بھاگو اور ہم سے پناہ طلب کرو۔ اور بعضے کے نزدیک مغضوب علیہم سے مراد کافر معاند ہے کہ دیدہ دانستہ دین سے انکار کرے اور ضال سے مراد عاصی متعمد ہے کہ جان بوجھ کر گناہ کرے اس واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بڑا سخت عذاب قیامت کو عالم بے عمل پر ہووے گا کیونکہ سمجھ بوجھ کر گناہ کرتے ہیں اور لوگوں کی خاطر سے حق چھپاتے ہیں اور رشوت لے کر فتوے غلط بتاتے ہیں اور کافر مومن سب کو خوش رکھتے ہیں سو ایسے لوگوں کی راہ سے بھی پناہ مانگنا چاہئے کہ جان بوجھ کر شرک اور گناہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک مغضوب علیہم سے مراد بدعتی ہے اور ضال سے مراد گناہ گار ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ ایمان دو چیزوں کے بیچ میں ہے ایک خوف اور دوسری رجا۔ سو مغضوب علیہم سے مراد وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ کو صرف قہار جانتے ہیں اور غفور نہیں جانتے سو اسی مضمون کو قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا ہے کہ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ یعنی خبر دے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندوں کو اس بات کی کہ میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور خبر دے اس بات کی کہ عذاب میرا عذاب دردناک ہے۔ سو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے معنی یہ ہوئے کہ نہ راہ دکھلا ہم کو ان لوگوں کی کہ تجھ کو صرف قہار جانتے ہیں اور تیری بخشش کی امید نہیں رکھتے اور نہ راہ ان کی کہ تجھ کو صرف

بخشنے والا جان کر گناہ کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے نہیں ڈرتے اور جاننا چاہیئے کہ اس سورت کے پڑھنے کو جو ہر رکعت میں بار بار مقرر کیا ہے سو وجہ اس کی یہ ہے کہ نماز کے ارکانوں[1] میں سات رکن بہت بڑے ہیں اور سورت کے آیات بھی سات ہیں سو ایک ایک رکن کے مقابل میں گویا ایک ایک آیت مقرر ہے۔ مثلاً بسم اللہ مقابل قیام کے ہے اور الحمد للہ رب العلمین مقابل رکوع ہے، الرحمٰن الرحیم مقابل قومے کے ہے، مالک یوم الدین مقابل سجدے کے ہے، ایاک نعبد و ایاک نستعین مقابل جلسے کے ہے، اھدنا الصراط المستقیم مقابل دوسرے سجدے کے ہے، صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین مقابل قعدے کے ہے اگر کوئی کہے کہ بسم اللہ کو مقابل قیام کے رکھا ہے اور الحمد للہ رب العلمین کو مقابل رکوع کے رکھا ہے اسی طرح سے ان سات رکنوں کے مقابل میں رکھنا کیا ضرور تھا اور رکنوں کے مقابل میں کیوں نہ رکھا سو اس کا جواب بہت طول ہے کہ اس مختصر میں گنجائش اس کی نہیں ہے بڑی تفسیروں میں دیکھ لے اور اگر کوئی کہے کہ تمام نماز میں ایک ایک رکن ہے سجدے دو کیوں مقرر کیے ہیں سو اس کا جواب کئی طرح پر لوگوں نے لکھا ہے بعضے کہتے ہیں کہ سجدہ اولیٰ وہ سجدہ ہے کہ روز ازل میں کیا تھا اور دوسرا سجدہ مقرر ہوا ہے شکر کے واسطے کیونکہ اگر وہ توفیق ہم کو نہ دیتا تو ہرگز ہم سے سجدہ ازل نہ ہو سکتا، سو سجدہ اولیٰ کا نام سجدہ ازلی ہے اور دوسرے سجدے کا نام سجدہ شکریہ ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ ہر باب میں دو گواہ مقرر ہوا کرتے ہیں سو قیامت کو یہ دونوں سجدے گواہی دیویں گے اس عبادت پر اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ مشہور ہے جو شخص کھڑا ہو کر عبادت کرے اس کو پورا اجر ملے گا اور جو شخص بیٹھ کر عبادت کرے اس کو آدھا اجر ملے گا سو سجدہ حالت جلوس میں ہوتا ہے اس واسطے دو سجدے مقرر کیے تا کہ پورا اجر پاوے اور جاننا چاہیئے کہ سورت میں سات حرف نہیں آئے ہیں اس واسطے کہ وہ سات حرف سات طرح کے عذاب پر دلالت کرتے ہیں جو کہ اس سورت میں بالکل رحمت بھری ہوئی ہے اس واسطے ان حرفوں کا لانا مناسب نہ ہوا۔ وہ سات حرف یہ ہیں۔ ثا[1] و جیم[2] و خا[3] و زا[4] و شان[5] و ظا[6] و فا[7]۔ سو ثا[1] سے اشارہ ثبور ہے یعنی ہلاکت اور جیم[2] سے اشارہ جحیم اور خا[3] سے اشارہ خزی ہے اور زا[4] سے اشارہ زفیر ہے کہ آواز دوزخیوں کی ہے یا اشارہ زقوم ہے اور زقوم ایک درخت ہے دوزخ میں کہ جڑ اس کی ساتویں دوزخ کے تلے ہے اور شین[5] سے اشارہ شھیق ہے اور شھیق کہتے ہیں دوزخیوں کی چیخ کو چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لھم فیھا زفیر و شھیق یعنی واسطے ان کے دوزخ میں آواز

[1] مراد رکن سے یہاں مطلق جزو ہے خواہ فرض ہو یا نہ ہو ۱۲

سخت ہے اور چلانا اور ظا سے مراد لظیٰ[1] ہے وہ جہنم میں ایک طبقہ ہے کہ اس کا نام لظیٰ ہے اور فا[7] سے مراد فراق ہے کہ دوزخ میں ہر کسی کو جدائی رہے گی سو جو شخص اس سورت کو پڑھے گا ان عذابوں سے محفوظ رہے گا۔ فائدہ علماء نے کہا ہے کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے۔ ایک بار مکے میں اور ایک بار مدینے میں اس واسطے اس کا نام سبع المثانی آیا ہے اور صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ بعضے عالموں کے نزدیک یہ سورت پہلے مکے میں نازل ہوئی ہے اور وقت فرض ہونے نماز کے مدینے میں نازل ہوئی لیکن صحیح یہ ہے کہ مکے میں نازل ہوئی ہے۔ وقت فرض ہونے نماز کے اور مدینے میں نازل ہوئی ہے جس وقت نماز کا حکم ہوا ہے طرف کعبے کے اور جاننا چاہیئے کہ نام اس سورت کے بہت ہیں لیکن تھوڑے سے بیان کیے جاتے ہیں کس واسطے کہ اس مختصر میں سمائی سب ناموں کی نہیں ہو سکتی ہے ایک نام فاتحہ الکتاب ہے اور وجہ اس نام کی یہ ہے کہ کتاب الٰہی کو اس سورت کے ساتھ شروع کرتے ہیں اور دوسرا نام فاتحہ ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ نماز میں پہلے اسی کو پڑھتے ہیں اور کتاب کے سرے پر پہلے اسی کو لکھتے ہیں اور تیسرا نام سورۃ الحمد ہے۔ وجہ اس نام کی یہ ہے کہ ابتداء اس کا ساتھ حمد کے ہے اور چوتھا نام سورۃ الشکر ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ حمد بنیاد شکر کی ہے جس نے حمد کی اس کو شکر گزاری کا طور خوب آجاتا ہے اور پانچواں نام سورۃ الکنز ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ یعنی نازل ہوئی ہے سورۃ فاتحہ اس خزانے سے جو نیچے عرش کے ہے اس واسطے نام اس کا سورۃ الکنز ہے اور چھٹا نام سورۃ المناجاۃ ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ بندہ اس سورت کے ساتھ نماز میں مناجات کرتا ہے اور ساتواں نام سورۃ التفویض ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ بندہ ایاک نستعین کہہ کر اپنے تمام کاموں کو حضرت حق کی طرف سپرد کرتا ہے اور آٹھواں نام سورۃ الوافیہ[2] ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو ثواب بھرپور دلاتی ہے اور نواں نام سورۃ الشافیہ ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ یہ سورت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَآءٌ مِّنْ كُلِّ دَآءٍ یعنی سورۃ فاتحہ شفا ہے ہر بیماری سے۔ وجہ اس نام کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا نام پاک ظلمت کو دور کر دیتا ہے سو بیماری بھی ظلمت ہے اس کو بھی اس سے شفا ہو جاتی

[1] لظیٰ میں اگرچہ ظا اول میں نہیں ہے لیکن یہ اس کا عمدہ حرف ہے اس واسطے ظا سے اشارہ اس کی طرف ہوا ۱۲۔

[2] قولہ سورۃ الوافیہ۔ یہ لفظ سات فا کے ہے اور بعضوں نے قاف کے کہا ہے یعنی واقیہ معنی اس کے نگاہ رکھنے والی عذاب قبر سے اپنے پڑھنے والے کو ۱۲

ہے۔اور دسواں نام سورۃ رقیہ ہے اور رقیہ کہتے ہیں منتر کو سو وجہ اس نام کی یہ ہے کہ جس بیمار پر پڑھ کر دم کردیوے وہ بیمار تندرست ہو جاوے۔ چنانچہ ایک صحابی نے مرگی والے پر اس سورت کو پڑھ کر دم کردیا تھا وہ اسی وقت تندرست ہو گیا۔اور گیارھواں نام سورۃ الاساس ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ یہ سورت نماز کی رکن ہے اور نماز کی بنیاد اسی سورت پر موقوف ہے اور بارھواں نام سورۃ الصلوٰۃ ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اور حضرت نے روایت کی ہے حق تعالیٰ سے کہ فرمایا ہے حق تعالیٰ نے کہ نماز کو تقسیم کیا ہے میں نے درمیان اپنے اور درمیان اپنے بندے کے آدھی میرے واسطے ہے اور آدھی بندے کے واسطے ہے سو جس وقت کہتا ہے بندہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حق تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور جب بندہ کہتا ہے کہ الحمدللہ رب العٰلمین حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو بندہ میرا میری خوبیاں بیان کرتا ہے، اور جب بندہ کہتا ہے الرحمٰن الرحیم حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو بندہ میرا میری بزرگی و تعظیم کے ساتھ مجھ کو یاد کرتا ہے اور جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بڑائی بیان کرتا ہے بندہ میرا۔ اور جب کہتا ہے ایاک نعبدو وایاک نستعین حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مضمون اس آیت کا مشترک ہے درمیان میرے اور درمیان بندے میرے کے کیونکہ عبادت حق میرا ہے اور مدد طلب کرنا حق بندے کا ہے سو ایاک نعبدو کہنے سے حق میرا ادا کیا وایاک نستعین کے کہنے سے حق اپنا طلب کیا اور جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والا الضالین حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مضمون تمام واسطے بندے میرے کے ہے اور اس کو سوال اس کا دونگا یعنی راہ سیدھی دکھاؤنگا اور غضب اور گمراہی سے پناہ میں رکھوں گا اور تیرھواں نام سبع المثانی ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ ہر رکعت اور ہر نماز میں یہ سات آیات بار بار پڑھی جاتی ہیں اور نماز میں پہلے انہیں آیات کو پڑھتے ہیں سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی راہ کے سات دروازے ہیں اور یہ سات آیات کنجیاں ہیں ساتوں دروازوں کی۔ سو بندہ جس وقت ان ساتوں کنجیوں سے ان ساتوں دروازوں کو کشادہ کرتا ہے سو اس وقت اس راہ میں داخل ہوتا ہے اور نماز میں اس کو کیفیت آتی ہے یہاں تک کہ دنیا اور مافیہا سے غافل ہو جاتا ہے اور کلام الٰہی کو سماعت کرنے لگتا ہے۔ اسی کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز معراج ہے مسلمانوں کی سو وہ ساتوں دروازے یہ ہیں۔ ایک تو ذکر ہے، دوسرے شکر ہے، تیسرے امید ہے، چوتھے خوف ہے، پانچویں اخلاص ہے، چھٹے دعا ہے، ساتویں انس کرنا ساتھ راہ انبیاء

وصلحاء کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کنجی ذکر کی ہے۔ الحمدللہ رب العٰلمین کنجی شکر کی ہے۔ الرحمٰن الرحیم کنجی امید کی ہے۔ مالک یوم الدین کنجی خوف کی ہے۔ ایاک نعبدو وایاک نستعین کنجی اخلاص کی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم کنجی دعا کی ہے۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والا الضالین کنجی انس کرنے راہ انبیا اور صلحا کی ہے اس واسطے ہر بار اس صورت کو نماز میں پڑھتے ہیں تو ساتوں دروازے کھل جاویں اور نماز خوبی کے ساتھ ادا ہووے اور چودھواں نام اس سورت کا قرآن عظیم ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ سب سورتوں سے افضل ہے ثواب میں۔ اور پندرھواں نام سورۃ تعلیم المسلہ وجہ اس نام کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس سورت میں اپنے بندوں کو مانگنے کا طور سکھایا ہے اور سولھواں نام سورۃ کافیہ ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس سورت کا پڑھنا تمام سورتوں پر کافی ہے اور تمام سورتوں کا پڑھنا اس سورت کو کفایت نہیں کرتا ہے سترھواں نام ام الکتاب ہے اور ام القرآن بھی آیا ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ تمام علم قرآن کا اس کے بیچ میں موجود ہے اور جاننا چاہئے کہ آدمی کے اندر تین چیزیں ایسی ہیں کہ شیطان ان کے سبب سے اس کو بہت ہلاک کرتا ہے۔ ایک شہوت ہے کہ آدمی اس کے غلبے سے اپنے اوپر ظلم کرتا ہے، اور دوسرے غضب ہے کہ اس کے سبب سے غیر پر ظلم کرتا ہے، اور تیسرے ہوا ہے کہ اس کی جہت سے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے یعنی اس کے ساتھ شرک کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَلظُّلْمُ ثَلٰثَۃٌ ظُلْمٌ لَّا یُغْفَرُ وَظُلْمٌ لَا یُتْرَکُ وَظُلْمٌ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتْرُکَہٗ فَاَمَّا الظُّلْمُ الَّذِیْ لَا یُغْفَرُ ھُوَ الشِّرْکُ بِاللّٰہِ وَالظُّلْمُ الَّذِیْ لَا یُتْرَکُ ظُلْمُ الْعِبَادِ بَعْضُھُمْ بَعْضًا وَالظُّلْمُ الَّذِیْ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتْرُکَ ھُوَ ظُلْمُ الْاِنْسَانِ عَلٰی نَفْسِہٖ یعنی ظلم تین قسم کے ہیں ایک ظلم ہے کہ وہ ہرگز بخشا نہ جاویگا، اور ایک ظلم ہے کہ وہ ہرگز نہ چھوڑا جائیگا یعنی بغیر بدلے کے معاف نہ ہو ویگا اور ایک ظلم ہے امید ہے کہ اللہ معاف کرے۔ سو وہ ظلم کہ نہ بخشا جاویگا شرک اللہ کیساتھ ہے اور وہ ظلم کہ نہ چھوڑا جاویگا ظلم بندوں کا آپس میں ہے کہ ایک دوسرے پر کرتا ہے، اور وہ ظلم کہ امید ہے اللہ بخش دیویگا وہ ظلم بندے کا اپنے نفس پر۔ سو ان تین چیزوں سے چھ چیزیں اور پیدا ہوتی ہیں۔ شہوت سے حرص اور بخل پیدا ہوتا ہے اور غضب سے عُجب اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور ہوا سے سے کفر اور بدعت کا ظہور ہوتا ہے اور ان چھ چیزوں سے ایک اور چیز پیدا ہوتی ہے کہ جس کا نام حسد ہے اور علامت حسد کی یہ ہے کہ تمام اخلاق آدمی کے بگڑ جاتے ہیں اور شیطان اس پر اپنا قبضہ کر لیتا ہے اور آدمی خدا کی جناب میں ملعون ہو جاتا ہے۔ سو جب یہ تمہید معلوم ہو چکی تو اب جاننا چاہئے کہ ان چیزوں کے علاج کیلئے حق تعالیٰ نے اس سورۃ ام

الکتاب کو مقرر کیا ہے۔ مثلاً جس وقت کہا آدمی نے سچے دل سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس کلمہ پاک سے غضب اور شہوت اور ہَوا زائل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کلمے میں تین نام ہیں ایک ایک چیز کو زائل کر دیتے ہیں اور جب کہا صاف دل سے الحمدللہ رب العٰلمین اس وقت حرص اور بخل دونوں دور ہو جاتے ہیں کیونکہ جب آدمی کو یقین ہوا کہ تمام جہان کا پالنے والا اللہ ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ جو تمام عالم کو پالتا ہے وہ مجھ کو بھی پالے گا۔ پھر جب یہ یقین مضبوط ہو جاتا ہے تو اس وقت حرص بالکل زائل ہو جاتی ہے اور سمجھنے لگتا ہے کہ پرورش اس کے اختیار میں ہے۔ میرے حرص کرنے سے کچھ نہیں ہوتا اور بخل بھی جاتا رہتا ہے اس واسطے کہ اپنے خاوند کی سخاوت کو دیکھ کر آپ بھی سخاوت کرنے لگتا ہے۔ اور جب کہا الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین اس کلمہ سے غضب دور ہوتا ہے کیونکہ اپنے مالک کو رحیم جان کر آپ بھی رحم کرنے لگتا ہے اور جب کہا ایاک نعبد و ایاک نستعین اس کلمے سے عُجب اور تکبر دور ہو جاتا ہے کیونکہ جب عاجزی کرنے لگا ایک شخص کے روبرو تو اس وقت تکبر باقی نہیں رہتا ہے اور جب کہا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم والضالین۔ ان لفظوں کے کہنے سے کفر اور بدعت دور ہو جاتے ہیں کیونکہ جب راہ سیدھی طلب کریگا تو معلوم ہوا کہ کفر اور بدعت سے بیزار ہے سو اس وقت کفر اور بدعت دونوں گم ہو جاتے ہیں اور مطابقت اس سورت کی ہر ہر آیت کی یہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس سورت میں اللہ صاحب نے اپنے بندوں کو مانگنے کا طور سکھایا ہے کہ اس شخص سے مانگنا چاہئے کہ جو صاحب مقدور اور سخی اور کریم اور ہمت والا ہووے اور جو شخص ان چار صفتوں کے ساتھ نہ ہووے اس شخص سے مانگنا ذلت ہے کیونکہ بہتیرے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ صاحب مقدور ہوتے ہیں لیکن سخی نہیں ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ سخی ہوتے ہیں لیکن کریم نہیں ہوتے اور جب بہت سے لوگ ان سے مانگتے ہیں تو گھبرا کر اور خفا ہو کر ان کو نکلوا دیتے ہیں اور گالیاں دینے لگتے ہیں۔ اس سبب پھر ان کے پاس کوئی نہیں جاتا ہے۔ اور بعضے سخاوت کیساتھ کریم بھی ہوا کرتے ہیں لیکن کم ہمتی کے سبب اپنے موافق سلوک نہیں کرتے ہیں سو اس سورت میں بڑی رغبت دلائی ہے اپنے بندوں کو تا کہ مجھی سے مانگا کریں اور دوسرے سے طلب نہ کیا کریں۔ سو پہلے اپنا مقدور بیان کیا ہے کہ الحمدللہ یعنی اے لوگو تمام خوبیاں واسطے اللہ ہی کے ہیں سو تم اسی سے مانگو اور کسی سے طلب نہ کرو پھر جب لوگوں نے یہ سنا تو ان کے خیال میں آیا کہ مقدور والا ہے کہیں بخیل نہ ہووے کہ ہمارا مانگنا خالی جاوے تو اس کے آگے فرمایا کہ رب العٰلمین بخیل نہیں ہے بلکہ پرورش اس کی عرش سے فرش تک پھیلی ہوئی ہے اور سخاوت

اس کی ہر عالم میں مشہور ہے۔ پھر اس کے بعد یہ دھیان میں آیا کہ سخی تو ہے لیکن دینے کے وقت کسی کو برا نہ کہتا ہووے اور جب بہت سے لوگ مانگنے کو جمع ہو جاتے ہوں تو ان کو کہیں نکلوا نہ دیتا ہووے سو اس خوف سے ہم نہیں مانگ سکتے۔ سو اس کے بعد فرمایا کہ الرحمٰن الرحیم یعنی بڑا مہربان ہے اور بڑا پیار کرتا ہے اپنے بندوں کو اور جو نہیں مانگتا ہے اس پر بہت خفا ہوتا ہے اور مانگنے والوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اسی نہ مانگنے پر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ لَمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ یعنی جو شخص نہیں مانگتا ہے اللہ سے، غصہ کرتا ہے اللہ اوپر اس کے۔ پھر بعد اس کے خیال آیا کہ بہت سے لوگ سخی بھی ہوتے ہیں اور کریم بھی ہوتے ہیں لیکن ہمت ان کی پست ہوتی ہے اسی سبب سے مانگنے والوں کی حاجت کو خوب طرح سے نہیں روا کر سکتے ہیں سو پھر جب حاجت روا نہ ہوئی تو ایسے سے مانگنا کیا ضرور ہے۔ اس واسطے آگے فرمایا ہے کہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی مالک ہے روز جزا کا، دنیا کی کیا حقیقت ہے ہمت اس کی ایسی بلند ہے کہ قیامت کے روز اپنے بندوں کو کئی کئی چاندی اور سونے کے محل دیویگا اور طرح طرح کے باغوں میں رکھے گا سو ہمت اس کی بلند ہے تم سے جو مانگا جائے سو مانگو پھر بعد اس کے ایک اور ادب سکھایا کہ یہ نہ چاہئے تم کو کہ جب ہم تمہاری حاجت کو روا کریں تو اس وقت تم ہماری عبادت کرو اور ہمارے دروازے پر پڑے رہو اور جب ہم تمہاری حاجت کو انکار رکھیں تو اس وقت دوسرے لوگوں کی تعظیم کرنے لگو اور ان کے دروازے پر جا مدد مانگنے لگو سو ایسے غلام نمک حرام ہوا کرتے ہیں، تم کو یہ چاہئے کہ تم کہو ایاک نعبد و ایاک نستعین یعنی ہم تجھی کو عبادت کرینگے اور تجھی سے مدد چاہیں گے تو چاہے ہماری حاجت روا کر یا نہ کر ہم دوسرے کے دروازے پر ہرگز نہ جائینگے اور سوا تیرے کسی کی عبادت نہ کرینگے۔ پھر اس کے بعد ایک اور طور مانگنے کا سکھایا کہ تم یہ نہ کیا کرو کہ جو چیز اپنے نزدیک اچھی دیکھو سو اس کو مانگنے لگو۔ کیونکہ بہتیری چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ تم ان کو اپنے حق میں اچھا جانتے ہو اور وہ حقیقت میں بری ہوتی ہیں سو تم یہ دعا کرو۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم والضالین۔ یعنی دکھا ہم کو راہ سیدھی اور راہ ان کی کہ نعمت کی تو نے ان پر نہ راہ انکی جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ راہ ان کی کہ جو گمراہ ہو گئے یعنی وہ چیزیں ہم کو دے کہ جس میں راہ مستقیم ہماری قائم رہے اگر دنیا میں بھی دیوے تو ایسی دیوے کہ جس میں ہمارا دین برباد نہ ہووے اور ایسی دنیا نہ نصیب کر کہ جس میں تیرا غضب ہووے اور تیری راہ کو ہم بھول جائیں۔ آمین یا رب العٰلمین۔ اور جاننا چاہئے کہ فضائل اس سورت کے یہ ہیں۔ بخاری شریف میں لکھا ہے کہ ابو سعید نے کہا ہے ایک روز

میں مسجد نبوی میں نماز پڑھتا تھا کہ ناگاہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو پکارا۔ میں نماز میں تھا اس واسطے میں نے جواب نہ دیا۔ پھر نماز پڑھ کر میں آیا اور عذر خواہی کی میں نے کہ یا رسول اللہ میں نماز پڑھتا تھا، فرمایا یہ عذر مسموع نہیں ہے۔ رسول کے پکارنے کو ہر وقت قبول کیا چاہئے جیسے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ یعنی اے مسلمانوں قبول کرو حکم اللہ اور رسول کا جس وقت کہ پکارے تم کو بعد اس کے فرمایا کہ میرے ساتھ ہو لے میں تجھ کو پہلے مسجد سے نکلنے سے ایسی سورت تعلیم کروں کہ جو تمام قرآن شریف کی سورتوں سے بڑی سورت ہے سو میں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہولیا۔ جب مسجد کے دروازے کے پاس پہنچے تب میں نے یاد دلوایا فرمانے لگے کہ وہ الحمدللہ رب العٰلمین ہے اور یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم اور حق تعالیٰ اس کے نازل کرنے کا مجھ پر احسان رکھتا ہے۔ اور ترمذی اور نسائی میں بھی مثل اس قصے کے سید القرآء ابی بن کعبؓ سے آیا ہے اور اس میں یہ بھی کلمہ واقع ہوا ہے کہ اَتُحِبُّ اَنْ اُعَلِّمَکَ سُوْرَةً لَمْ تَنْزِلْ فِی التَّوْرٰةِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ مِثْلَهَا یعنی چاہتا ہے تو سکھاؤں کہ میں تجھ کو ایک سورت کہ نہیں نازل ہوئی توریت میں اور نہ انجیل میں اور نہ زبور میں مثل اس کے۔ کہا ابی بن کعبؓ نے کہ ہاں سکھا دو مجھ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فرمایا کہ وہ سورت ام القرآن ہے کہ ہر نماز میں تو اس کو پڑھتا ہے۔ اور مسلم میں ابن عباسؓ سے آیا ہے کہ ایک روز جبرئیل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے ناگاہ آسمان سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ حضرت جبرئیل غور کر کے دیکھنے لگے اور فرمایا کہ جو کھلا ہے یہ دروازہ اس سے پہلے آج تک کبھی نہیں کھلا۔ پھر فرمانے لگے ایک فرشتہ آتا ہے آسمان سے کہ آدم کی پیدائش سے اس دم تک نہیں آیا ہے زمین پر، پھر اتنے میں وہ فرشتہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا خوش ہو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ حق تعالیٰ نے تجھ کو دو نور دیئے ہیں اور پہلے تیرے کسی نبی کو نہیں دیئے ہیں۔ ایک تو سورۃ فاتحہ ہے اور دوسرے اٰمن الرسول ہے آخر تک کہ ان دونوں کے پڑھنے سے ایک ایک حرف پر ثواب عظیم لکھا جاتا ہے انتھی۔ اور بخاری اور مسلم میں آیا ہے کہ اصحاب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانپ اور بچھو کے کاٹے پر اس سورت کو پڑھ کر دم کرتے تھے اور دیوانوں اور مرگی والوں پر بھی پڑھا کرتے تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر جائز رکھتے تھے اور دارقطنی میں آیا ہے کہ ابن عسا کرنے سنا ہے سائب بن یزید سے کہ وہ کہتے تھے کہ میرے درد پر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سورت کو پڑھا تھا اور بعد پڑھنے کے آب دہن لے کر اس درد پر لگا دیا

تھا۔ اور بیہقی نے بیچ شعب الایمان کے کہا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب شفا ہے ہر بیماری کو۔ اور بزار نے اپنے مسند میں انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت سورۃ فاتحہ کو اور قل ھو اللہ احد کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کریگا تو تمام شب امان میں رہے گا مگر موت سے ناچاری ہے۔ اور عبد بن حمید نے بھی اپنے مسند میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ فاتحۃ الکتاب برابر دو تہائی قرآن شریف کے ہے ثواب میں۔ اور ابوالشیخ اور طبرانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں مجھ کو گنج عرش میں سے ملی ہیں اور کوئی چیز ان چاروں کے اس گنج میں سے نہیں ملی ہے۔ سو ایک ام الکتاب ہے، دوسری آیت الکرسی، تیسری خاتمہ سورۃ بقرہ کا، چوتھی سورۃ کوثر ہے اور ابونعیم اور دیلمی نے روایت کی ہے ابوالدرداء سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فاتحۃ الکتاب کفایت کرتی ہے اس چیز سے کہ کوئی چیز قرآن میں سے کفایت نہیں کرتی ہے اور اگر سورۃ فاتحہ کو ترازو کے ایک پلے میں رکھے تو مقررہ سورۃ فاتحہ تمام قرآن سے سات حصے زیادہ ہو وےگی۔ اور ابوعبید نے فضائل قرآن میں حضرت حسنؓ بصری سے مرسلاً روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ کو پڑھا گویا توریت اور انجیل اور زبور اور فرقان کو پڑھا۔ اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور وکیع نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابلیس کو تمام عمر اپنی میں چار دفعہ نوحہ کرنے کا اور سر پر خاک ڈالنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ایک تو اس وقت کہ جس وقت اس پر لعنت ہوئی تھی اور دوسرے جس وقت آسمان سے زمین پر پھینکا گیا اور تیسرے جس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے اور خلقت کی طرف بھیجے گئے اور چوتھے جس وقت سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں لکھا ہے کہ جس شخص کو کچھ حاجت ہووے تو چاہئے کہ سورۃ فاتحہ پڑھا کرے اور بعد اس کے اپنی حاجت مانگا کرے، قریب ہے کہ اس کی حاجت کو حق تعالیٰ بر لاوے۔ اور ثعلبی نے شعبیؒ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے شعبیؒ سے شکایت درد گردن کی کی۔ شعبی نے کہا تو اساس القرآن پڑھا کر او ردرد پر دم کر لیا کر اس نے کہا اساس القرآن کون سی سورت ہے، شعبیؒ نے کہا وہ سورۃ فاتحہ ہے اور بعضے بزرگوں نے تجربہ کر کے لکھا ہے کہ سورۃ فاتحہ اسم اعظم ہے اور پڑھنا اس کا ہر مطلب کو مفید ہے اور اس کے دو طریق ہیں اول یہ کہ صبح کو درمیان سنت اور فرض کے ساتھ ملا دینے میم بسم اللہ کے ساتھ الحمدللہ کے اکتالیس مرتبہ پڑھے اور چالیس روز تک ناغہ نہ کرے پھر جو حاجت ہووےگی حق تعالیٰ اس کو پورا کریگا اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مہینے کے اول یکشنبہ کو

درمیان سنت اور فرض فجر کے بغیر ملانے میم کے ساتھ لام کے ستر (۷۰) بار پڑھنا شروع کرے اور ہر روز اسی وقت دس دس بار کم کرتا جاوے یہاں تک کہ ہفتے کو ختم ہو جاوے۔ اور اگر کسی پر جادو ہووے تو یہی سورت پانی پر دم کر کے چالیس روز تک پلایا کرے اور اگر چینی کے پیالے پر اس سورت کو گلاب اور زعفران سے لکھ کر چالیس روز تک پلایا کرے تو ہر مرض کو اور ہر جادو کو مجرب ہے اور اگر دانت میں اور سر میں یا شکم میں کسی کے درد ہووے تو اس سورت کو سات بار پڑھ کر دم کر دیوے تو یہ بھی بہت مجرب ہے۔
تمام ہوئی تفسیر سورۃ فاتحہ کی۔ حق تعالیٰ ہم کو اور سب بھائی مسلمانوں کو اس کا فائدہ نصیب کرے اور قرآن شریف کے معنی ہم سب کو سمجھا دے اور شرک اور بدعت سے باز رکھے اور اپنے بندوں کے گروہ میں داخل کرے اور سلف کے طریقے کی ہم کو راہ دکھاوے۔ آمین۔ آمین۔ آمین یارب العالمین۔

تمت بالخیر

دعائے خیر کا طالب

ملنے کا پتہ:

سیّد احمد شہید اکیڈمی

نفیس منزل کریم پارک راوی روڈ لاہور

اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد